



# بادشاہت کا خاتمہ

---

سعادت جس نمنو

# بچوں کے نام

○ میں اُسے راحدا یسا اریب اور افسانہ نگار  
بھتار ہوں جس میں فن اور زبان کا برابر امتزاج ہے  
راجندر سنگھ بیدار

○ منٹرا!..... خدا تیرے قلم میں اونہ ہر کھجور  
کر مشن چند ر

○ اگر مستقبل میں کرنے نیز جانب دار نقاد منٹوا در مشرق  
و سطحی کے افسانہ نگاروں کی تحکیمات کا تجزیہ کرنے بیٹھنے کا  
تو بخدا منٹوا کو پاکستان اور مہدوستان ہی کا نہیں پڑے  
مشرق و سطحی کا سب سے بڑا فن کا رقرار دینے پر مجبور ہو گا۔  
رشید احمد فردودی

○ منٹرا پنے سو اکسی کرشاڑ ہی مانتے تھے۔ وہ اپنے  
آپ کو یہ صافر کا سب سے بڑا افسانہ نگار مانتے تھے۔  
ان کا دعویٰ کسی کسی حد تک درست تھا۔  
شور شر حکا شہیری

○ منڈر ادب کے علاوہ عمر بھرا پی زندگی میں فنکاری  
کے شعبہ کے دکھاتا رہا۔ مشہد بیبے تھا شہ پیتا رہا۔  
مقدمے اُس پر چلے۔ پاکل خانے تک جا پہنچا۔ یہ صافر  
میں ارب کا جو "انڈر در لڈ" ہے اس کا وہ عمدہ مصور  
تھا۔ تبعہ ہے کہ اس کو - TOUDAURE LAUTREC  
سے کیوں تشبیہ نہیں دی جئی۔  
فترۃ العین حیدر

○ منڈر اگر انگ ہے تو کوئی جماعت موجوں کی نظر میں  
اویسوں کی نامندہ نہیں بن سکتی۔  
محمد حسن عسکری

○ منڈر اپنے پچھے بہت کچھ چھوڑ گیا ہے جو اولیٰ دنیا  
میں بیٹھے زندہ رہے گا۔  
ممتاز شہبزیں

○ منٹو پاکستان اور سندھ وستان کی ان چند شخصیتوں  
میں سے ایک ہے جو مر بھی گئے اور نہیں بھی مرے اسلئے  
اس کو ہمیشہ کے لئے خدا حافظ لکھنے کو جو نہیں چاہتا۔  
ابراہیم حیدر جلیلیں

○ منٹو ایسا نٹر بے باک، صاف گوا فسانہ نگار آج  
نک اردو ادب نے پیدا نہیں کیا۔ اور اس کی موت سے  
اردو کا افسانہ ادب مفلس ہو گیا۔  
شاهد احمد دھلوی

○ منٹو کا فن اور نقطہ نظر ہمیشہ اردو ادب کے  
پرستاروں میں بحث کا مر ضرور ع بنار ہے گا۔ لیکن ایک  
بات پر سب مستفق ہیں کہ وہ بہت عظیم افسانہ نگار تھا۔  
میڈ احتشام حسین

○ منٹو کے انتخاب موضوع کے اختلاف کے باوجود  
میرے زدیک ود بہت بلا فن کا رستھا۔  
علیٰ عبدالحیام حسینی

○ منٹو عبدالحیم کے افسانہ نگاروں کا ذہنی اور  
تلخیقی رہنمائنا تھا۔

سید ابوالخیر کشفی

○ منٹو ہمیشہ زندہ رہے گا، اپنی تخلیقات کی  
وجہ سے۔ منٹو وقت اور زمانے کی دست بردا سے  
بالآخر ہو چکا ہے۔

ممتداز مفتی

○ منٹو کا لفڑا اب ایک اسیم صفت بن چکا ہے  
اپ یہ لفڑا ایک خاص اور بل روحان یا شخصیت  
کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حامد جلال

بادشاہی کاغذ

ساعت حسن منظو

ساقی بک روپو - روپی

تیہست؛ پندرہ روپے  
Rs 15/-

نام کتاب : بادشاہت کا خاتمہ  
مصنف : سعیدت حسن مدنوی  
سال اشاعت : ۱۹۱۰ء  
ظایع : جمال پرہیز دہلی۔

ناشر

ساقی بک روپرہ  
اردو بازار دہلی ۱۱۰۰۶

## ترتیب

صفحہ	مضمون
۹	بادشاہت کا خاتمہ
۲۶	نقی کاتب
۳۴	وال صاحب
۵۶	خودت ذرات
۷۹	عشقِ حقیقی
۱۲	گستاخ کی دعا
۹۵	پہی
۱۰۷	خود فریب
۱۱۴	بر می لڑکی
۱۳۶	فوجھا بائی
۱۵۱	ابھی ڈرڈر

# پیش ک لفظ

مجھے ان افسانوں کے متعلق صرف یہ کہنا ہے کہ یہ میرے افسانے ہیں۔ ان کی خوبی علاوہ اس کے کہ یہ میرے ہی یہ ہے کہ یہ بہت مختصر طریقے میں پڑھنے کا قلم ہوتے ہیں جو جن حالات میں یہ لکھ سکتے اس کا حال ہیں جانتا ہوں، یا میرا خدا، جو بڑا بے نیاز ہے۔

ہر افسانے کے اقتضایم پر ایک تاریخی درج ہے جو بتاتی ہے کہ افسانہ کب لکھا گیا۔ ان تاریخوں سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ میں نے یہ مجموعہ تحریر کرنے والے میں تیار کیا۔ صاحبِ تظریق اس تاریخی مجموعے سے میرے ذہن کے متعلق ایک خاص طریقے کی حد تک اپنے اپنے خیال کے مطابق رائے ضرور قائم کر سکیں گے۔

ان افسانوں میں ایک خوبی یا برائی یہ بھی ہے کہ ان کی طواہ متقریب قریب یکساں ہے یہ میں نے افسانہ نگاری میں ایک نیا تجربہ کیا ہے۔ اس کے متعلق میں ناقدین فن کی رائے بڑی و پسپی سے پڑھوں اور سنوں گا۔

اور کچھ کہنا نہیں چاہتا سوائے اس نئے کہ پاکستان میں ابھی تک

زندہ ہوں،

سعادت حسن مندو

۱۹۷۴ء

## بادر شاہست کا خاتمہ

ٹیلی فون کی گھنٹی بھی۔ من موہن پاٹھی بیٹھا تھا۔ اس نے رسیوور لٹھالیا  
اور کہا۔ ”ہیلو۔ فور فور فور فائس سیون“  
دوسری طرف سے پتلی سی نسوائی آداز آئی۔ ”سوری مارکنگ نمبر“  
من موہن نے رسیوور رکھ دیا اور کتاب پڑھنے لیں، مشغول ہو گیا  
یہ کتاب وہ تقریباً بیس ہر تھہ پڑھو چکا تھا۔ اس لئے نہیں کہ اس میں  
کوئی خاص بات تھی، دفتر میں جو دیرانہ پڑھا۔ ایک صرف یہی کتاب تھی۔  
جس کے آخر میں ادراق کو مخوردہ تھے،  
ایک ہفتے سے دفتر من موہن کی تجویں میں تھا۔ کیونکہ اس کا مالک  
جو کہ اس بادر سوت تھا۔ کچھ روپیہ قرض لینے کے لئے کہیں باہر گیا ہوا تھا۔

من موہن سچپاں چور نکھر رہتے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس لئے فٹ پامہ سے عارضی طور پر وہ اس دفتر میں منتقل ہو گیا تھا۔ اور اس ایک ہفتے میں وہ دفتر کی انکوئی کتاب تقریباً بیشتر مرتبہ پڑھ چکا تھا۔

دفتر میں وہ اکیلا پڑھ رہتا۔ نوکری سے اُسے نفرت تھی۔ اگر وہ چاہنا تو کسی بھی فلم ہمپینی میں بطور فلم ڈائرکٹر کے ملازم ہو سکتا تھا۔ مگر وہ غلامی نہیں چاہتا تھا۔ نہایت ہی بے ضرر اور مخلص آدمی تھا۔ اس لئے دوست یا راس کے روزانہ افراد میں کا بندوبست کر دیتے تھے۔ یہ اخراجات بہت ہیں کہ تھے۔ صحیح کو پاک کی پیالی اور دو توں، دو پھر کو دو چھلکے اور تھوڑا سماں میں سارے دن میں ایک پیکٹ سلگریٹ اور بن۔

من موہن کا کوئی خریز یا رشتے دار نہیں تھا۔ بے حد خاموشی بسند تھا۔ جفاکش تھا۔ کئی کئی دن فاقہ سے رہ سکتا تھا۔ اس کے متعلق اس کے دوست ہو تو کچھ نہیں لیکن اتنا جانتے تھے کہ وہ پھر ہی سے گھر چھوڑ چھاڑ کر نکل آیا تھا۔ اور ایک مرتب سے بھی کے فٹ پانچوں پر آباد تھا۔ زندگی میں صرف اس کو ایک چیز کی حسرت تھی۔ عورت کی محبت کی۔ وہ کہا کرتا تھا۔ اگر مجھے کسی عورت کی محبت مل گئی تو میری ساری زندگی بدل جائے گی۔

دوست اُس سے کہتے ہیں: "تم کام پھر بھی نہ کر دے گے۔"

من موہن آہ بھر کر جواب دیتا: "کام؟ میں جیسم کام بن جاؤں گا۔"

دوست کہتے ہیں: "تو شروع کر دو کسی سے عیشق ہے۔"

من موہن جواب دیتا۔ نہیں۔ میں اسی سے عشق کا قاتل نہیں جو مرد کی طرف سے  
شروع ہے۔“

دوپھر کے کھانے کا وقت تریب آر باتھا۔ من موہن نے سامنے دیوار پر کلاک کی  
طرف دیکھا۔ میلی فون کی گھنٹی بجنا شروع ہوئی۔ اس نے رسیوور اٹھایا اور کہا۔ “ہمیلو۔ فور فور  
فور فاتحیو رسیوں؟“

دوسری طرف سے پتلی سی آواز آئی۔ “فور فور فور فاتحیو رسیوں؟“  
بڑج موہن نے جواب دیا۔ ”جی ہاں۔“

نسوانی آواز نے پوچھا۔ ”آپ کون ہیں؟“

”میں من موہن ا۔ فرمائیے ا۔“

دوسری طرف سے آواز نہ آئی تو من موہن نے کہا۔ ”فرمائیے کس سے  
بات کرنا چاہتی ہیں آپ؟“  
آواز نے جواب دیا۔ ”آپ سے۔“

من موہن نے ذرا حیرت سے پوچھا۔ ”مجھ سے؟“

”جی ہاں۔ آپ سے، کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے۔“

من موہن سلپٹا سا گیا۔ ”جی؟۔ جی نہیں ا۔“

آواز مُکرایی۔ آپ نے اپنا نام مدن من موہن بتایا تھا۔  
”جی نہیں۔ من موہن۔“

”من موہن ا۔“

چند لمحات فاہر شہ میں گذر گئے تو من موہن نے کہا۔ آپ با تیس کرنا چاہتی تھیں

مجھ سے؟"

"آواز آئی۔ جی ہاں۔"

"تو کیجئے؟"

تھوڑے دقائقے کے بعد آواز آئی۔ سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا بات کروں۔  
آپ ہی شوٹ کیجئے نہ کوئی بات۔"

"بہت بہتر یہ کہہ کر من موہن نے تھوڑی دیر سوچا۔" نام اپنا بتا  
چکا ہوں۔ عارضی طور پر ملکانہ میرا یہ دفتر ہے۔ پہلے فری پانچ پر سوتا تھا۔  
اب ایک ہفتے سے اس دفتر کے بٹیے میز پر سوتا ہوں۔"

"آواز مسکر افی۔" فری پانچ پر آپ مسہری لگا کر سوتے تھے؟"  
من موہن ہنسا۔ اس سے پہلے کہ میں آپ سے مزید گفتگو کروں۔  
میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا فری پانچ  
پر سوتے مجھے ایک زمانہ ہو گیا ہے، یہ دفتر تقریباً ایک ہفتے سے میرے قبضے  
میں ہے آج محل عدیش کر رہا ہوں؟"  
آواز مسکر افی۔ کیسے عدیش؟"

من موہن نے جواب دیا۔ "ایک کتاب میں کئی تھی یہاں سے آخری اور اق  
گر میں۔ لیکن میں اسے بیش مرتبہ پڑھ چکا ہوں۔ سالم کتاب کبھی ہاں تھا مگر تو  
معلوم ہو گا۔ ہیر و ہیر و گن کے عشق کا انعام کیا ہوا یہ۔"

"آواز منسی۔ آپ بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔"

من موہن نے اتكلف سے کہا۔ "آپ کی اذون نوازی ہے یہ۔"

آواز نے تھوڑے تو قف کے بعد پوچھا: "آپ کا شغل کیا ہے؟"  
"شغل چھوٹا ہے۔"

"میرا مطلب ہے آپ کرتے کیا ہیں؟"

"کہا کرتا ہوں خوب سمجھی نہیں۔ ایک بیکار انسان کیا کہ سلکتا ہے بمالا  
دن آدارہ گردی کرتا ہوں رات کو سوچاتا ہوں۔"

آواز نے پوچھا: "یہ زندگی آپ کو اچھی لگتی ہے؟"

من موہن سوچنے لگا: "مگر یہ ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اس پرہ  
کبھی غور نہیں کیا۔ اب آپ نے پوچھا ہے تو میں اپنے آپ سے پوچھوڑتا ہوں کہ  
یہ زندگی تمہیں اچھی لگتی ہے یا نہیں؟  
"کوئی جواب ملا؟"

تھوڑے وقف کے بعد من موہن نے جواب دیا: "جی نہیں۔ لیکن  
میرا خیال ہے کہ ایسی زندگی مجھے اچھی لگتی ہی ہوگی جب کہ ایک بڑھے سے بزرگ رہتا ہوں۔"  
آواز ہنسی۔ من موہن نے: آپ کی تہسی بڑی مترکم ہے۔

آواز شرمگی میں مسلکریہ اور سلسلہ تخلک منقطع کر دیا۔

من موہن تھوڑی دیر ریسمیور ہاتھ میں لئے کھڑا رہتا۔ پھر مسلکر اکر اسے کھدایا  
اور دفتر بند کر کے چلا گیا۔

دوسرے روز صبح آٹھ بجے جب کہ من موہن دفتر کے بڑے میز پر  
صور ہاتھا۔ ٹیلیفون کی گھنسٹی بجننا شروع ہوئی۔ جماں ایمان لئے ہوئے اس نے رسید  
اٹھایا اور کہا۔

”ہو فور فور فور فایکو سیلوں ۔“

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”آداب عرض من موہن صاحب!“

”آداب عرض ا!“ من موہن ایک دم چون کاہ اوہ آپ۔ آداب عرض تسلیمات!

آواز آفی آپ غالباً سور ہے تھے؟“

”جی ہاں۔ یہاں آکر میری عادات کچھ بگھڑ رہتی ہیں۔ والپر فٹ پا تھے

پر گیا تو بڑی مصیبت ہو جائے گی：“

آواز مسکرا لی۔ ”کیوں ۔“

”وہاں صحیح پانچ بجے سے پہلے پہلے اٹھنا پڑتا ہے۔“

آواز نہیں۔ من موہن نے پوچھا۔ کل آپ نے ایکدم ٹیلیفون بند کر دیا۔“

آواز شرمائی۔ آپ نے میری نہیں کی تعریف کیوں کی تھی؟“

من موہن نے کہا۔ ”لو صاحب، یہ بھی عجیب بات کہی آپ نے کوئی حیر

خوبصورت ہوتا تو اس کی تعریف نہیں کرنی چاہتے؟“

”بالکل نہیں!“

پہنچنے آپ مجھ پر عاید نہیں کر سکتیں۔ میں نے آج تک کوئی شرط اپنے

اوپر عاید نہیں ہونے دی۔ آپ نہیں گی تو میں ضرور تعریف کروں گا۔“

”میں ٹیلیفون بند کر دوں گی۔“

”بڑے شوق سے۔“

”آپ کو میری نارامنگی کا کوئی خیال نہیں۔“

”میں سب سے پہلے اپنے آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ اگر میں آپ کی

پنسی کی تعریف نہ کر دیں تو میرا ذوق مجھ سے ناراض ہو جاتے گا۔ یہ ذوق مجھے بہت ملزیز ہے!“

تھوڑی دیر خاموشی رہی اس کے بعد دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”معاف کیجئے جما۔ میں ملاز مر سے کچھ کہہ رہی تھی۔ آپ کا ذوق آپ کو بہت ملزیز ہے۔۔۔ پاس یہ تو بتائیے آپ کو شوق کسی پیز کا ہے؟“

”کیا مطلب؟“

”یعنی۔ کوئی مشغله کوئی کام۔ میرا مطلب ہے آپ کو آتا کیا ہے؟“

من موہن نہسا۔ کوئی کام نہیں آتا۔ فوٹو گرافی کا تھوڑا اسا شوق ہے۔“

”بہت اچھا شوق ہے!“

”اس کی اچھائی یا براف کا میں نے کبھی نہیں سوچا۔“

آواز نے پوچھا۔ ”کیمیرہ تو آپ کے پاس بہت اچھا ہو گا؟“

من موہن نہسا۔“ میرے پاس اپنا کوئی کیمیرہ نہیں۔ دوستوں سے مانگ کر شوق پورا کر لیتا ہوں۔ اگر میں نے کبھی کچھ کہایا تو ایک کیمیرہ میری نظر میں ہے۔ وہ غریدوڑا۔“

آواز نے پوچھا۔ ”کون سا کیمیرے؟“

من موہن نے جواب دیا۔ ”ایگز کٹلر لیکس کیمیرہ ہے۔ مجھے بہت پسند ہے۔“

تھوڑی دیر خاموشی رہی، اس کے بعد آواز آئی۔ ”میں کچھ سوچ رہی تھی۔“

”کیا؟“

”آپ نے میرا نام پوچھا، انہیں نہیں کہا۔“

”مجھے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی؟“

”کیوں؟“

”نام آپ کا کچھ ہی ہو کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ کو میرا بخوبی معلوم ہے بس تھیک ہے۔ آپ گرچا ہیں لیکن کہ میں آپ کو ٹیلیفون کروں تو نام اور بخوبی بتا دیجئے گا۔“

”میں نہیں بتاؤں گی۔“

”تو صاحب یہ بھی خوب رہا۔ میں جب آپ سے پوچھوں گا ہی نہیں تو بتانے نہ بتانے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔“

آواز مسکرا فی۔ آپ عجیب و غریب آدمی ہیں۔“

من موہن مسکرا یا۔ ”جی ہاں کچھ ایسا ہی آدمی ہوں۔“

چند سینکنڈ خاموشی رہی۔ ”آپ پھر سوچنے لگیں یا۔“

”جی ہاں، کوئی اور بات اس وقت سوچھ نہیں رہی تھی۔“

”تو ٹیلی فون بند کر دیجئے۔ پھر سہی۔“

آواز کسمی قدر تیکھی ہو گئی۔ آپ بہت روکھے آدمی میں ٹیلیفون بند کر دیجئے یہ ہے میں بند کر دی ہوں۔“

من موہن نے رسپورٹ کھو دیا اور مسکرانے لگا۔

آدھے گھنٹے کے بعد من موہن ہاتھ مند دھوکہ کھرے پہن گر بامہر لکلنے کے لئے تکارہ ہوا تو ٹیلی فون کی گھنٹی بھی۔ اس نے رسپورٹ لٹھایا اور کہا۔ فور فور فون فائیو سیلوں!“ آواز آہی۔ مسٹر من موہن۔

من موہن نے جواب دیا ”جی ہاں من موہن۔ ارشاد؟“

آواز مسکرا فی۔ ارشاد یہ ہے کہ میری ناراضگی وور ہو گئی ہے؟“

من موہن نے بڑی خلگ فٹلی سے کہا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔“

”ناشرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ آپ کے ساتھ بیکاری نہیں پاہنچے۔“

باں آپ نے ناشرتے کر دیا۔“

”جی نہیں، باہر نکلنے ہی والا تھا کہ آپ نے ملیفون کیا۔“

”اوہ۔ تو آپ جائیے۔“

”جی نہیں مجھے کوئی جلدی نہیں میرے پاس پہنچنے نہیں ہیں۔ اس لئے  
میرا خیال ہے کہ آج ناشرتے نہیں ہو گا۔“

”آپ کی باتیں سن کر۔ آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ میرا مطاب ہے  
ایسی باتیں آپ اس لئے کرتے ہیں کہ آپ کو دکھ ہوتا ہے جو۔“

من موہن نے ایک لمحہ سوچا۔ جی نہیں۔ میرا الگ کوئی دکھ درد ہے تو میں  
اس کا عادی ہو چکا ہوں۔“

آواز نے پوچھا۔ ”میں کچھ روپے آپ کی بھی جو دیں؟“

من موہن نے جواب دیا۔ ”بھیج دیجئے۔ میرے فنا شروں میں ایک آپ کا  
بھی اضافہ ہو جائے مجاہد۔“

”نہیں میں نہیں بھیجوں میں۔“

”آپ کی مرضی!“

”میں ٹیکی فون بند کر دی ہوں۔“

”بہتر ہے۔“

من موہن نے دسیدیور کھدیا اور سکتا ہوا ففتر سے نکلی گیا۔ رات کو رسیجے

کے فریب و اپس آیا اور کپڑے بدل کر میز پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ یہ کون ہے جو میں  
خون کرتی ہے، آواز سے صرف اتنا پتہ چلتا تھا کہ جوان ہے اس سی بہت ہی متقدم  
تھی۔ گفتگو سے یہ صاف ظاہر ہے کہ تعلیم یافتہ اور مہندب ہے بہت دیر تک  
اس کے متعلق سوچتا رہا۔ ادھر کلاک نے گوارہ بھائے۔ ادھر یہی فون کی  
ٹھنڈی بھی۔ من موہن نے سیور اٹھایا۔ ہمیلو!

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "مسٹر من موہن"

"جی ہاں۔ من موہن۔ ار شادا۔"

"ار شادا یہ ہے کہ میں نے آج دن میں کئی مرتباہ رنگ کیا۔ آپ کہاں غائب تھے؟"

"صاحب بیکار ہوں، لیکن پھر بھی کام پر جاتا ہوں۔"

"کس کام پر؟"

"آوارہ گردی"

"وہ اپس کب آئے؟"

"دنیا بچے"

"اب کیا کہ رہے تھے؟"

"میز پر لیٹا آپ کی تصویر بنا رہا تھا"

"بنی؟"

"جی نہیں"

"بنانے کی کوشش نہ کیجئے۔ میں بڑی بد صورت ہوں"

"معاف کیجئے گا، اگر آپ حقی بصدورت ہیں تو یہی فون جذب کردیجئے۔"

بد صورت تی سے مجھے نفرت ہے ۔ ”

آواز مسکرا فی ” ایسا ہے تو چلتے میں خوبصورت ہوں میں آپ کے  
دل میں نفرت نہیں پیدا کرنا چاہتی ۔ ”

تحمیری دریہ خاموشی رہی۔ من موہن نے پوچھا۔ ” کچھ سوچنے لگیں؟ ”  
آواز چونگی۔ ” جی نہیں۔ میں آپ سے پڑھنے والی تھی کہ ۔ ۔ ۔ ”  
” سوچ پڑھنے اچھی طرح ۔ ”

آواز منس پڑھی ” آپ کو کاناسناوں؟ ”

” ضرورا ”

” ملھماز ہر بیتے ۔ ”

گلاصاف کرنے کی آواز آئی۔ پھر غالستہ کی یہ غزل شروع ہوئے  
نکتہ چیز ہے غنم دل ۔ ۔ ۔

سمہنگل والی نئی دھن تھی۔ آواز میں درد اور خلوص تھا۔ جب غزل شتم  
ہوئی تو من موہن نے داری ” بہت خوب۔ زندہ رہ ہو ۔ ”  
آواز شرمائی ” ملکر یہ ” اور ٹیلیفون بند کر دیا۔

رفتر کے بڑے میز پر منہ موہن کے دل و دماغ میں ساری بات خالی  
خول گو نجتی رہی۔ صحیح جلدی اٹھا اور ٹیلیفون کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً ڈھانی گھنٹے کری  
پڑھا۔ ٹھیک ٹیلیفون کی گھنٹی بھی۔ جب ماہیوس ہو گیا تو ایک عجیب سی تلنگی اس نے اپنے  
حلق میں حسوس کی۔ اٹھ کر ٹھینے لگا۔ اس کے بعد میز پر لیدھ گیا اور کوڑھنے لگا۔  
وہی کتاب جس کو وہ متعدد مراتب پڑھ چکا تھا اٹھائی اور دوسری بھر ہافی شروع کر دی۔

یہ بھی لیکے لیئے شام ہو گئی۔ تلفریبا سات بجے ٹیلیفون کی گھمنی بھی من میں  
نہ رسمیور اٹھایا اور تیزی سے پورا چھا۔۔۔ "کون ہے؟"

وہ آواز آفی "میں ا!"

من میں کا الہجہ تیز رہا۔ "اتھی دیر کم کہاں تھیں؟"  
آواز لرزی - "کیوں؟"

وہ صبح سے یہاں جبکہ مارد ہوں۔ ناشتہ کیا ہے نہ دپھر کا کھانا  
نکھایا ہے، حالانکہ میرے پاس پیسے موجود تھے یہ

آواز آفی - "میری جب بڑی ہو گی ٹیلیفون کروں گی۔ آپ..."

من میں نے بات کاٹ کر کہا۔ "دیکھو جی پیسلسلہ بند کر ڈیلیفون کرنا  
ہے تو ایک وقت مقرر کر جو سے انتظار برداشت نہیں ہوتا یہ

آواز مسکر افی۔ "آج کی معافی چاہتی ہوں۔ کمل سے باقاعدہ صبح وہ  
شام ہوں آیا کرنے لگا، آپ کو یہ

"یہ جھیک ہے؟"

آواز نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہا آپ اس قدر بگڑے دل ہیں یہ  
من میں مسکرا یا۔ معاف کرنا انتظار سے مجھے بہت بہت کوفت  
ہوتی ہے اور جب مجھے کسی بات سے کوفت ہوتی ہے تو اپنے آپ کو سزا دینا  
شروری کر دیتا ہوں یہ

"وہ کیسے؟"

وہ صبح متھا را ٹیلیفون نہ آیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ میں پلا جاتا۔ یہ

بیٹھا دن بھر اندر ہی اندر رکڑھتا رہا۔ پہچانتا ہے صاف یہ  
آواز ہمدردی میں ڈوب گئی۔ کاش مجھ سے یہ نملٹی نہ ہوئی جس نے  
قصداً صحیح ٹیلیفون نہ کیا اے  
”کبڑی؟“

”یہ علوم کرنے کے لئے کہ آپ انتظار کرو جی سگے یا نہیں؟“  
من موہن ہنسنا۔ ”بہت شریر ہوئم۔ اچھا اب ٹیلیفون بند کرو۔  
میں کھانا کھانے جا رہا ہوں۔“  
”بہتر کب تک لوٹنے گا؟“  
”اویس کھنڈی تک۔“

من موہن آدمی کھنڈی کے بعد کھانا کھا کر لوٹا تو اس نے فون کیا۔ دریں تک  
دو نوں پاتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد اس نے غائب کی ایک غزال منای کی مونہوں  
نے رل سے داد دی۔ پھر ٹیلیفون کا سلسہ منقطع ہو گیا۔

اب ہر روز صحیح و شام من موہن کو اس کا ٹیلیفون رکھنی کی آواز  
ستھری وہ ٹیلیفون کی طرف لپکتا۔ بعض اوقات کھنڈیوں بائیں جا رہتیں۔  
اس دورانی میں موہن نے اس سے ٹیلیفون کا نمبر پوچھا اور اس کا نام، شروع  
شروع میں اس کی آواز کی مدد سے تجیل کے پہر زے پر اس کی تصور کہنی پڑی۔  
کی کوشش کی تھی۔ میکر اب وہ جیسے آواز پری سے مطمئن ہو گیا تھا۔ آواز ہی شکل تھی۔  
آواز پری صورت تھی، آواز پری جسم تھا۔ آواز پری روح تھی۔ ایک دن اس نے  
پوچھا۔ من موہن اتم میرا نام کیوں نہیں پوچھتے؟“

من موہن نے مسکرا کر کہا۔ ”تمہارا نام تمہاری آواز ہے“  
”جو کہ بہت دتر قسم ہے“  
”اس میں کیا شک ہے؟“

ایک دن وہ بڑا میرھا سوال کر زیادتی موہن تم نے بھی کسی لڑکی سے محبت کی تھے؟“  
من موہن نے جواب دیا۔ ”نہیں“  
”کیوں؟“

موہن ایک دم ادا سر ہو گیا۔ اس کیوں کا جواب پنڈ لفظوں میں نہیں  
ڑسے سکتا۔ مجھے اپنی زندگی کا سارا ملبوہ اٹھانا پڑے گا۔ اگر کوئی جواب نہ ملے تو  
بڑی کو فتح ہو گی۔“  
”جانتے دیکھتے“

ٹیلیفون بکار شدہ قائم ہوئے تقریباً ایک چھینچہ ہو گیا۔ بلانگر دنیاں اور رتبہ  
اس کا فوراً آتا میں موہن کو اپنے دوست کا خط آیا کہ قرضے کا بندوبست ہو گیا ہے  
سات آٹھ روز میں وہ بھی پہنچنے والا ہے۔ میں موہن یہ خط پڑھ کر افسرد ہو گیا۔ اس کا  
ٹیلیفون آیا تو من موہن نے اس سے کہا۔ ”میری دفتر کی بادشاہی اب چند دنوں کی  
چھماں ہے۔“

اس نے پوچھا۔ ”کیوں؟“

من موہن نے جواب دیا۔ ”قرضے کا بندوبست ہو گیا ہے۔ دفتر آہاد  
ہونے والا ہے۔“

”تمہارے کسی اور دوست کے لئے ٹیلیفون نہیں۔“

”کتنی دوست ہیں جن کے ٹیلیفون ہیں۔ مگر میں تمہیں ادا کا نمبر نہیں دے سکتا۔“  
”کیوں؟“

”میں نہیں چاہتا تمہاری آواز کوئی اور سننے یہ  
” وجہ؟“

”میں بہت حاصل ہوں۔“  
” رہ مسکرا لی۔“ یہ تو ٹپری مصیبت ہوئی۔“

”ویرایکیا جائے ہے؟“

”آخری دن جب تمہاری بادشاہت ختم ہونے والی ہوگی، میں تمہیں لپا  
نمبر پتا دوں گی۔“  
” یہ ٹھیک ہے۔“

من ہو ہن کی ساری افسر دگی دلہ ہو گئی۔ وہ اس دن کا انتظار کرنے لگا کہ  
وقت میں اس کی بادشاہت ختم ہو۔ اب پھر اس نے اس کی آواز کی مدد سے اپنے  
تخیل کے پردے سے پر اس کی تصویر کھینچنے کی کوشش شروع کی۔ کتنی تصویر ہے میں بیس مگر  
وہ ٹھیک نہ ہوا۔ اس نے سوچا، چند دنوں کی بات ہے اس نے ٹیلیفون نمبر پتا دیا تو وہ  
اس سد بیجی سکے گا۔ اس کا خیال آتے ہوں اس کا دل و دماغ سُن ہو جاتا۔ میری نندگی  
کا وہ لمحہ کتنا بڑا لمحہ ہو گا۔ جب میں اس کو دیکھوں گا۔

دوسرے روز جب اس کا ٹیلی فون آیا تو من ہو ہن نے اس سے کہا۔ ”تمہیں  
ویکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔“

”کیوں؟“

”تم نے کہا تھا کہ آخر کی دن جب یہاں میری بادشاہت ختم ہونے والی ہوگی  
تو تم مجھے اپنا نہ بتا دو گی ۔“  
”کہا تھا ۔“

”اس کا یہ مطلب ہے کہ تم مجھے اپنا پدر کسی دیدو گی۔ میں نہیں دیکھ سکوں گا۔“  
”تم مجھے جب چاہو دیکھ سکتے ہو۔ آج ہمارے بیانوں نو ۔“  
”نہیں نہیں۔“ پھر کچھ سوچ کر کہا۔ ”میں ذرا اپھے لباس میں تم سینے لزاں پاہتا ہوں  
آج ہی ایک دوست سے کہہ رہا ہوں وہ مجھے سوت سلوادے گا۔“  
”وہ ہنس پڑیں گے۔“ بالکل صحیح ہو تم یعنی جب تم مجھ سے ملوگے تو میر تھیں  
ایک شفہہ دوں گی۔“

من موہن نے بند باتی رندانہ میں کہا۔ ”تمہاری ملاقات سے بڑھ کر  
اور کیا تھفہ ہو سکتا ہے؟“

”میں نے تمہارے لئے انگریز کٹا کمیرہ خریا۔ دیا ہے۔“

”اوہ!“

”اس شرط پر دوں گی کہ پچھے میرا فلوٹ اٹارو۔“  
من موہن سکرایا۔ ”اس شرط کا فیصلہ ملاقات پر کروں گا۔“  
شکوہ کی دیر ارد گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد ادھر سے وہ بولی۔ ”میں کل اور  
پرسوں تھیں ٹیلیفون نہیں کر سکوں گی۔“

من موہن نے تشوشیں بھرنے لے چکے میں پوچھا دیکھوں؟“  
”میں اپنے عزیزوں کے ساتھ کہیں باہر جائی ہوں۔ صرف دو دن غیر حاضر  
ہوں گے۔“

رہوں گی۔ بچھے معااف کر دینا۔"

یہ سینئے کے بعد من موہن سارا دن دفتر ندیا میں رہا۔ دوسرے دن بچ اٹھا تو اس نے دو ارت محسوس کی پھوچا کہ یہ اضمحلائی شایراں لئے ہے کہ اس کا ٹیکیفون نہیں آئے گا۔ لیکن دوپہر تک دو ارت نیز ہو گئی۔ بدن تپخے رکھا آنکھوں سے شزارے بھوٹنے لگے، من موہن نیز پر ایٹ گیا۔ پھر اس بارہ بام سنتا تھی۔ اٹھا اور نال سے مذہل کا کمر پانی پتکا۔ شام کے قریب اُسے دپنے سینئے پر یہ جھم محسوس ہوئے لگا اور سرے درز وہ بال محل نہ ہوا۔ شام سماں پڑی د وقت سے آتا تھا۔ سینئے کی ڈکھوں بہت بڑھ گئی تھی۔

کئی بار اس پر نہ یاد کی یافت ٹھاکری چوفی، بخار کی شرمندی، وہ گھنٹوں ٹیکیفون پر ہی محبوب آواز کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ شام کو اس کی حالت بہت زیادہ بکڑا گئی۔ دھنڈ لائی ہوئی آنکھوں پھر اس کی طرف دیکھا، اس کے کانوں ہیر ٹھریب و غریب آوازیں گونج رہی تھیں۔ جیسے ہر رہنمیفون بول رہے ہیں۔ سینئے میں مگر نکر دے سک رہے تھے، چاروں طرف آوازیں ہی آواز مل تھیں، چنانچہ جب ٹیکیفون کی ٹھنڈی بھی تو اس کے کانوں تک اسیکی آواز نہ پہنچی بہت دیر تک ٹھنڈی بھی۔ ہی ایک دم من موہن چونکا، اس کے کان اب سکن رہے تھے لہ کھڑا تاہو اٹھا۔ پور ٹیکیفون تک گیا۔ دیوار کا سہارا لے کر اس نے کا لپتے ہوئے اٹھوں سے ریسیور اٹھایا، اور خشک ہر شٹوں پر لکڑی جیسی زبان پھیر کر کہا: "ہیلو،" دوسری طرف سے رد اڑکنا ہوئی۔ "ہیلو۔ من موہن ہو۔"

"ذرا اُر پھی بو بو۔"  
"ذرا اُر پھی بو بو۔"

من موہن نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ اسی سے حلقوں میں ہی غشک ہو گیا۔  
آواز آفی ” میں جاندی آئکھی ٹبری دبر سے تمہیں رنگ کر رہی ہوں۔

— کہاں تھے تم۔؟ ”  
من موہن کا سر چھوٹھو منے لگا۔

آواز آفی ” میں کیا ہو گیا۔ ہے تمہیں؟ ”

من موہن نے بڑی مشکل سے اتنا کہا ” میری بادشاہت ختم ہو گئی ہے آج ”  
اس کے مذہ سے خون نکلا اور ایک پتلی لکیر کی صورت میں گردن تک دوڑ پڑا گیا  
آواز آفی ” میرا نمبر نوٹ کرو۔ فائیو نوٹ تقریب و ن فور، فائیو نوٹ تحری  
و ای خور۔ صحیح خون کرنا یہ کہہ کر اس نے ریمیوڈر کھو۔ یا۔ من موہن اونڈھے  
مذہ بیلیخون پر گمراہ اس کے مذہ سے خون کے بلیکے پھوٹنے لگے۔

سارے جوں شے

# تفی کاتب

ولی محمد جب تفی کو پہلی مرتبہ دفتر میں لایا تو اس نے مجھے قطعاً متاثر نہ کیا۔  
 لکھنؤ اور دلی کے جاہل اور خود سرکاریوں سے میراجی جلا ہوا تھا۔ ایک بختا  
 اُس کو صباو بیجا پیش ڈالنے کی بُری عادت تھی۔ موت کو موت اور سوت کو سوت  
 بنادیتا تھا۔ میں نے بہت سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا۔ اُس کو اپنے اہل زبان ہونے کا  
 بہت زعم تھا، میں نے جب بھی اُس کو پیش کے معاملے میں لوٹ کا اس نے اپنی  
 ڈڑھی کو تاو دے کر کہا۔ ”میں اہل زبان ہوں صاحب۔ اس کے علاوہ تیس  
 سی پارہوں کا حافظ ہوں۔ اعراض کے معاملے میں آپ مجھ سے کچھ نہیں کہ سکتے“  
 میں نے اُسے اور کچھ نہ کہا اور رخصت کر دیا۔

اس کی وجہ ایک دلی کے کاتب نے لی۔ اور سب لٹھیک تھا۔ مگر اس کو

اصلاح کرنے کا خبط تھا، اور اصلاح بھی ایسی کہ میری آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا کوئی دضمون تھا۔ میں نے اس میں یہ لکھا: "اس کے بالتوں کے طوٹے اڑ گئے؟" اس نے یہ اصلاح فرمائی۔ "اُس کے ہاتھ پاؤں کے طوٹے اڑ گئے؟" میں نے اس کامڈا قی اڑا یا تو وہ خانص دہلوی سب والہ جہہ میں بڑا بڑا تا ملاز مرد سے خلیجہ ہو گیا۔

رامپور کا ایک کاتب تھا۔ بہت ہی خوش خط، مگر اس کو اخلاق صارم کے درستہ پڑتے تھے، سلطانیں کی سلطانیں اور سیرے کے پیرے غائب کرتا تھا جب اس کو رامپور اصلیح دوبارہ لکھنے کو کہتا تو وہ جواب دیتا۔ اتنی محنت بجھ سے نہ ہو گئی صاحب۔ پوٹ میں لکھ دن گا"

پوٹ میں لکھوانا مجھے سخت ناپسند تھا، چنانچہ یہ رامپور کا کاتب بھی انہیاں دن دفتر میں نہ لٹک سکے۔

ولی محمد ہمید کا کتب جب تقی کر پہلی مرتبہ دفتر میں لا یا تو اس نے مجھے قطعاً منتاثر نہ کیا۔ خط کا نمونہ دیکھا۔ فاصل اچھا نہیں تھا۔ دائروں میں سختگی نہیں تھی، میں گنجوان لکھائی کافی تھیں ہوں۔ وہ چند لکھتا تھا۔ کبھی عمر تھا، انداز گفتگو میں عجیب قسم کی بوکھل ہٹت تھی، بات کرتے وقت اس کا ایک بازو پلتا تھا۔ جیسے کلار کا پنڈوں مرنگ سفید تھا، بال ایسی ہر ٹھٹ پر بھورے ہیں بال تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے خود کتابت کی سیاہی سے بلکی بلکی موچھیں بنانی ہیں۔

میں نے اُس سے چند روز کے لئے رکھا، مگر اس نے اپنی شرافت، سخت اور تابعداری سے دفتر میں اپنے لئے ایک مستقل جگہ پیدا کری۔ ولی محمد

سے میرے تعلقات بہت بے تکلف تھے، جنسیات کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے وہ اکثر مجھ سے سمجھنے کو کرایا کرتا تھا۔ اس دوران میں نہ ترقی خاموش رہتا۔ عورت اور مرد کے جنسی تعلق کا ذکر کر کھلے الفاظ میں آتا تو اس کے کان کی لوچی سُرخ ہوتا تھا۔ ولی محمد جو کہ شادی کو شروع کرنا کو خالص پنجابی انداز میں پھیلتا۔

”منٹو صاحب اسی کام زدہ خراب ہو رہا ہے اس سے کہتے کہ شادی کر لے جب بھی کوئی فلم دیکھ کر آتا ہے سارے کاراٹ کمودیں بدلتا ہے متنا ہے یہ تھی عام طور پر جھنپتے ہوئے کہتا ہے ”منٹو صاحب تھوڑتھوڑ بولتا ہے یہ وی محمد کی سیاہ نوکیلی مونپیس لکھ کرنے لگتیں ہے اور یہ جھوپڑے ہے منٹو صاحب کہ یہ چالی (بائیونگ) کی یہ ہو دیا پھو کر دیں کی انکی ٹانگیں دیکھ کر ان کی نقشہ کشی کیا کرتا ہے یہ“

نقی کی ناک کما پورنگہ پرہ پسینے کے قطعے سے مخیڈارم جو جاتے ہیں تو، میں تو  
ڈرائیٹر سیکھ دے لا ہوں۔

ولی محمد اُنسے اور ہبھیر تاہ فرا انگ چہرے کی سیکھو۔ یہ کسی ڈر انگ مادر  
نے تم سے کہا کہ پہلے نگی دانگوں سے شروع کر دی

محمد تقی قریب قریب رو دیتا، چنانچہ میں رسول محمد کو منع کر دیا کہ وہ ۱۹ سے  
نہ پھر اکرے۔ اس پر ولی محمد کہتا تھا۔ منشو صاحب میں اس کے والد صاحب سے  
کہہ چکا ہوں آپ سے کبھی کہتا ہوں کہ اس لونڈھ سے کی شکاری کرادی بھی نہیں  
اس کا مردہ بالکل خراب ہو جائے گا۔

محمد تقیؒ کے پار پہنچے میری ملاقات ہوئی۔ دار طھی دا لے بزرگ تھے، تمازروزے کے پابند، ما تھے پر خراب، بھنڈڑی بازار میں اولیٰ محمد کی شرکت میں گھمی کی ایک چھوٹی سی دو کان کرتے تھے، محمد تقیؒ سے انہوں کو بہت محبت تھی، باتیں کرنے ہوئے آپ نے مجھ سے کہا: "تقیؒ ذریں کا تھا کہ اُس کی والدہ کا استقالہ ہو گیا۔ خدا اُس کو ملزمانِ محبت کرے، بہت ہی نیک بیانی تھی، منشو صاحب یقین جانتے اس کی موت کے بعد غریبیوں اور درستوں نے بہت زور دیا کہ میں دوسری شادی کر لوں، ملکر مجھے تقیؒ کا خیال تھا، میں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ میں اس کی طرف سے غافل ہو جاؤں۔ چنانچہ دوسری شادی کے خیال کو میں نے اپنے قریب تک نہ آنے دیا اور اس کی پروردش خود اپنے ہاتھوں سسکی، اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اُس نے مجھ گنہگار کو خُرُوف کیا۔ خدا اس کو زندگی اور نیکی کی ہدایت دے۔ ।"

محمد تقیؒ اپنے باب کے اس ایثار کی ہمیشہ تعریف کر کر مٹا۔ بہت کم باب اتنی بڑی قربانی کر سکتے ہیں، آباجوان تھے، اچھا کھاتے تھے، چاہتے تو چنگیوں میں ان کو اچھی سے اچھی جیوی مل میاتی، لیکن میری خاطر انہوں نے تجسس کی زندگی سبر کی۔ اتنی محبت اور اتنے پیار سے میری پروردش کی کہ مجھے ماں کی کمی عسوں ہی نہ ہونے دی۔"

ولی محمد بھی تقیؒ کے باب کا معتز تھا، بلکہ اسے صرف یہ شکایت تھی کہ مولانا ذرا سنگی، منشو صاحب آدمی بہت اچھا ہے، کار بار میں سولہ آنے کھرا ہے۔ تقیؒ سے بہت پیار کرتا ہے... لیکن یہ پیاروں... میں اب اپنے احساسات کوں الفاظ میں پیش کروں۔ اس کا پیار جد سے بڑھا ہوا ہے... یعنی وہ اس طرح

پیار کرتا ہے، جس طرح کوئی حاصلہ عاشق اپنے ملشوق سے کرتا ہے۔“

”میں نے دلی محمد سے پوچھا،“ تمہارا مطلب؟“

دلی محمد نے اپنی موٹھیوں کی نوکیں اور سوت کیں، ”مطلب“ وہ۔

مطلب یہ نہیں سمجھ سکتا آپ خود سمجھو بیجھے۔“

میں نے مسلکر اکر کہا، ”بھائی تم فزاد و خاہت سے کام لو تو میں کچھ مبارک گا۔“  
دلی محمد نے سُرخیاں لکھنے والے قلم کی کپڑے کے چینی ہٹرے سے صاف  
کرتے ہوئے کہا، ”مولانا سنکی ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کیوں۔ تھی کہتا ہے کہ پہلے  
ان کے پیار اور ان کی شفقت کا یہ رنگ نہیں تھا، جواب ہے۔ یعنی پہلے چین  
بریسوں سے آپ نے اپنے فرزند احمد سے پوچھا کہ کام متناہی سلسلہ شروع  
کر رکھا ہے۔ لا متناہی صحیک استعمال ہوا ہے نہ منظو صاحب؟“

”صحیک استعمال ہوا ہے۔ ہاں یہ پوچھو چکھ کا سلسلہ کیا ہے؟“

”یہی تمرات کو دیر سے کیوں آئے؟ سفید محلی میں کیا کرنے لگتے تھے۔  
وہ یہودا تم سے کیا بات کر رہی تھی۔؟ اتنے قلم کیوں دیکھتے ہو۔ پہلے ہفتے  
تم نے کتابت کی اجرت میں سے چار آنے کھا رکھے؟۔ وہی محمد سے تم بانی کلمہ  
کے پہ پہ بیٹھے کیا باتیں کر رہے تھے؟۔ کیا وہ تمہیں اور غلام تو نہیں رہا تھا کہ  
شادی کر لو؟“

میں نے دلی محمد سے پوچھا، ”وہ غلام کیا ہوا؟“

”معلوم نہیں۔ لیکن مولانا سمجھتے ہیں کہ تھی کامہر دوست اسے شادی کے  
لئے وہ غلام تھا۔ میں اس کو وہ غلام تھا تو نہیں لیکن یہ ضرور کہتا ہوں اور اکثر کہتا ہوں۔

کہ جان میں شادی کر لے دو اور نہ تمہارا مردہ خراب ہو جائے گا۔ اور منظو صاحب ہیں آپ کو خدا کی قسم کھانا کر کر بنا ہوں کہ لڑکے کو ایک بیوی کی اشد ضرورت ہے یہ  
چار پانچ برس اگر چکے تھے سید محمد تقیؒ کی موپھروں کے بھروسے بالا اب ہمیں  
نہیں تھے سہ رو زڑڑاڑھی مونڈتا تھا اسی ڈھنگی مانگ بھی انکالتا تھا، اور دفتر میں  
جب بحثیات کے متعلق گفتگو چھپتی تو وہ قلم دانتوں میں دبایا رخورد سے سنتا۔ بخوبی اور  
مرد کے ملبے تعلق کا ذکر کھلے الفاظ میں ہوتا تو اس کے کاموں کی لویں سڑخ نہ ہوئی  
محمد تقیؒ کو بیوی کی ضرورت ہو سکتی تھی۔

ایک دن جب کہ اور کوئی دفتر میں نہیں تھا اور اکیلا تقیؒ تخت پر دلوار کے  
سماں تھے پہنچ لگاتے پڑچے کی آخری کافی مکمل کر رہا تھا۔ میں نے اس کے خد دخال کا  
خورد سے معاشرہ کرتے ہوئے پوچھا: "تقیؒ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟"  
سوال اچانک کیا لگایا تھا۔ تقیؒ چونک پڑا: "جی؟"

"میرا خیال ہے تم شادی کر لو یہ"

تقیؒ نے قلم کان میں ڈال دیا اور کسی اقدار شرم اکر کہا: "میں نے ایک سے بات کی ہو۔  
"کیا کہا انہوں نے؟"

تقیؒ تفصیل سے کچھ کہنا پا ہتا تھا مگر نہ کہہ سکا: "جی وہ۔ کچھ نہیں  
وہ کہتے ہیں ابھی اتحی جلدی کیا ہے؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"جو اُن کا ہے۔"

اسی جواب کے بعد گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تقیؒ نے پڑچے کی آخری کافی

مکمل کی اور اسے جوڑ کر چلا گیا۔

چند دن کے بعد زلی محمد نے تلقی کی موجودگی میں مجھ سے سے کہا۔ منشی صاحب

پر انظر ہوا۔ مولانا اور تلقی میں دھیں پٹاں جوڑتے ہوئے رہ گئی ہیں۔

ولی محمد بولا تو اردو بولتا تھا، لیکن پنجابی اور سکھی کی اردو سکے لئے اس فہرست میں

پس باکرنے کے لئے استعمال کرنے کا عادی تھا۔

تلقی نے اس کی بارستہ سُنگی اور خوش رہا۔

ولی محمد نے اپنی لفڑتی ہوئی نوکیلیوں کو آنکھوں کاڑا اور پالک کر رکھا۔

پھر اس زادیے کو بدال کر اس نے تلقی کی طرف دیکھا، اور مجھ سے کہا۔ لڑکے اسکے

خالہ دیکھنے کی اشعد ضرورت ہے، لیکن باپ اس ضرورت کو مانتا ہی نہیں۔ اس نے بہت

سمجھا۔ باہم شو صاحب، مگر مولانا نے ایک دلچسپی۔ منشی صاحب یہ کہا اور وہ ہے ایک

نہ سُنی۔ مولانا نے سُنی تو ہزار تھیں، لیکن سُنی اُن سُنی کر دیں۔ یہ محاورے کیلئی خوب سایز

ہیں۔ اور مولانا بھی۔ اپنے وقت کے ایک لا جواب محاورے ہیں ہیں۔

تلقی بھنا کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ منشی صاحب اس سے کہتے خواہ شیر ہے،

ولی محمد بولا۔ منشی صاحب اس سے کہتے کہ مولانا کے سامنے خواہ شیر ہا کریں،

خواہ شادی کی اجازت نہیں دیتے، مٹھیک ہیں، باپ ہیں، وہ اس کا نفع را

نہ صانع سوچ سکتے ہیں۔ یہ میں نے ولی محمد سے کہا۔

باپ بیٹھے کی پنج ضرور ہوئی تھی۔ تلقی نے مولانا سے مدد خواست کی تھی کروہ

اس کی شلوار کسی اچھے گھرانے میں کر دیں یہ سن کروہ پڑھ لگتے اور تلقی کے دوستوں پر برستنے

لگے۔ تمہارے دوستوں نے تمہاری جھڑوں میں پانی پھیڑ دیا۔ جبکہ میں تمہاری ٹکڑے

تھا۔ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ شادی بیاہ کس جانور کا نام ہے؟“  
یہ سُن کر تیقَّنے نے درتے درتے کہا۔ لیکن... آپ کی شادی تو چوڑ برسا کی  
گھر میں ہوتی تھی۔“

مولانا نے اُسے ڈانٹا۔“تمہیں کیا معلوم ہے؟“  
تیقَّن فامیش ہو گیا۔ وہ بہت ہی کم گوارہ فرمائیں اور اس کا لڑکا تھا۔ در  
پار مرتبہ اُس نے بے تکلف گفتگو کی اور اس کے محفلے کامیق دیا تو مجھے معلوم  
ہوا کہ اس کو ہیوی کی واقعی ضرورت ہے۔ اس نے مجھ سے ایک روز ہنپتے ہوئے  
کہا۔ میرے خیالات آج کل بہت پرا گندہ رہتے ہیں۔ ولی محمد شادی شدہ ہے  
وہ جب اپنی بیوی کے ساتھ باہر جاتا ہے تو میرے دل کو جانے کیا ہوتا ہے مانچے  
ایک درفعہ احساسِ کمتری کے متعلق باتیں لکھیں۔ مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں  
عقلخرب اس کا شکا ہونے والا ہوں ملکر کیا کر دوں اب امانتے ہی نہیں، میں شادی  
کی بات کرنا ہوں تو وہ چڑھاتے ہیں۔ جیسے... جیسے شادی کرنا کوئی گناہ ہے  
وہ اپنی مثال دیتے ہیں کہ دیکھو تمہاری ماں کے مرنے کے بعد اب تک ہیں نے  
شادی نہیں کی۔ لیکن منشو صاحب۔ اس مثال کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے۔  
آنہوں نے شادی کی اللہ کو یہ منتظر نہیں تھا کہ انکی بیوی زندہ رہتی انہوں نے  
بہت بڑی قربانی کی جو میری خاطر دسری شادی نہ کی۔ لیکن وہ چاہتے ہیں کہ میں  
کنوار اہمی رہوں۔“

”میں نے پُرچھا کیوں؟“  
تیقَّنے جواب دیا۔“ معلوم نہیں منشو صاحب۔ وہ میری شادی کے بارے

میں کچھ سُشنے کے لئے تیار نہیں۔ میں انکی بڑی عزت کرتا ہوں۔ لیکن محل باتوں  
باتوں میں جذبات سے مغلوب ہو کر میں گستاخی کر بیٹھتا ہو۔

”کیا؟“

تفقی نے انتہائی ندامت کے ساتھ کہا۔ میں منت سماجت کرتے کرتے اور  
سمجھاتے سمجھاتے تملک آگیا تھا۔ مل جب انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ میری شادی کے  
متعلق کچھ سُشنے کو تیار نہیں تو میں نے فحصے میں آ کر ان سے یہ کہہ دیا۔ آپ نہیں  
سُشنے گے تو میں اپنی شادی کا بندوبست خود کر لوں گا۔“

میں نے اس سے پوچھا۔ ”یہ سُجن کراں ہوں نے کیا کہا؟“

”ابھی ابھی گھر سے نکل جاؤ۔ چنانچہ کل رات میں یہاں فرتو ہیں سویا۔“  
میں نے شام کو ولی محمد کے ذریعہ سے مولانا کو ملبوایا۔ چند بندوباتی بائیں  
ہوتیں۔ تو انہوں نے تفقی کو لے لگا کر رونا شروع کر دیا اپنے شکوہ ہونے لگئے۔  
”مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ لڑکا جس کی خاطر میں نے تجربہ برداشت کیا ایک  
روز میرے ساتھ ایسی گستاخی کے ساتھ پیش آئے گا۔ میں نے ماوز کی طرح اسے پالا پوچھا  
آپ کو کھی کھائی پر اس کے لئے خود اپنے ہاتھوں کھی میں گوندھ گوندھ پڑھنے پکارئے۔“  
میں نے بات کاٹ کر کہا۔ ”مولانا، یہ کب آپ کے ان احسانات کو نہیں ہانتا  
آپ کی تمام قریانیاں اس کے دل و درماغ پر نقش ہیں۔ آپ نے اتنا کچھ کیا، کیا آپ  
اس کی شعلوی نہیں کر سکتے۔ مان ہا اپنکی تو سب سے بڑی خواہش یہ ہوئی ہے۔“

کہ وہ اپنی اولاد کو پھلتا پھولتا دیکھیں اور پکے گھر میں بہو آئے گی، بال بچے ہوں گے،  
ولاد اجانبی کر آپ کو پورا فرستہ نہ ہو گی جسے میرا خیال ہے۔ تفقی کو غلط فہمی

ہوئی سہے کہ آپ شادی کے خلاف ہیں۔“

مولانا نا اب جواب ہو گئے۔ رومال سے اپنی آنکھیں خشک کرنے لگے تھوڑے اوقف کے بعد بولے ”پر کوئی ایسا رشتہ تو ہو۔۔۔“

”آپ ہاں کردیجئے سب تھیک ہو جائے گا۔“

ولیٰ محمد نے یہ کچھ ایسے انداز میں کہا ہو چلئے انکو ٹھاٹھا یئے۔ مولانا بدر گھجے۔ میکن ایسی جلدی کھی کیا ہے؟“

اس پر میں نے بزرگوں کا احمد اختمیار برے ہوئے کہا۔ کار فیر میں دیر نہیں ہوئی اچھی ہے۔ آپ اور ووں کو قھوڑتے، خود اپنی پسند کار مثمنہ ڈھونڈھتے۔ راشنا اللہ ڈوگری میں سب لوگ آپ کو جانتے ہیں۔ یہاں بھی میں پسند نہ ہو تو اپنے بیجا بیوی سمجھی۔ کوئی سما کا لے کو سوں دو رہے۔

مولانا نے سر ہلا کر صرف اتنا کہا۔ ”جیاں۔“

میں نے تقیٰ کے کانز حصے پر باتھ کیا۔ لو بھی تقیٰ فیصلہ ہو گیا۔ مولانا کو تمہاری بچوں کی طرح اب تنگ نہ کرنا۔ میں خود اس معاملے میں ان کی مدد کروں گا۔“ یہ کہہ کر میں مولانا سے مخاطب ہوا۔ یہاں کچھ فائدہ ان پر ہے۔ ان سے میر کی کچھ بجائ پہچاہ جہے میں اپنی بیوی سے کہوں گا۔ وہ لیکھ کیاں دیکھ لے گی۔“

تقیٰ نے ہوئے سے کہا۔ ”آپ کی بہت ہماری بانی۔“

کئی چھینے گز گئے مگر تقیٰ کی شادی کی بات چیت کہیں بھی اشروع نہ ہوئی۔ ولیٰ محمد اس درد ان میں اُس سے بیا بڑا کھاتا رہا اور اپنے باپ کے چھپے پڑا۔ نیچو یہ ہوا کہ ایک روز مولانا میر سے پاس آئے اور کہا۔ مسانحی اسرطیٹ کی تیسری الیکٹنکرڈ کی بلڈ ٹکنیک ٹھاید

اپ جانتے ہی ہوں۔ پوری کامیک خاندان رہتا ہے۔۔۔“  
میں نے فوراً کہا۔“ آپ کہئے۔ میں جانتا ہوں!“  
مولانا نے پوچھا۔“ کیسے لوگ ہیں؟“  
”بے مد شریف“

جو سب سے بڑا سماں چھوڑی جس کی بڑی لڑکی میں نے سنا ہے خاصی اچھی بحث  
”یہ پیغام بھجو اور چتا ہوں۔“

مولانا تھرا گئے۔ نہیں ہوئی۔ اتنی جلدی نہیں۔ یہ کہن تو دیکھنا ہے کہ  
لڑکی شکل و صورت کی کیسی ہے؟“

”میں اپنی بیوی کے ذریعے معلوم کر لوں گا۔“  
میر بیوی نے اس لڑکا کو دیکھا تو پسند کیا۔ قبولاً صورت تھی، تعلیم  
انٹرنیشنل تھی، طبیعت کی بہت ہوا پھر تھی۔ یہ سب خوبیاں مولانا سے بیان  
کردیں، وہ لڑکی کے ہار پتے ملے۔ جہیز اور حق ہر کے متعلق بات چیت کی۔ یہ  
ابتدائی مراحل خیر و خوبی ملے ہو گئے۔ تھی بہت خوش تھا، لیکن تین ہی زیر گئے  
اوند بات وہیں کی اڑیں تھیں۔ انہیں ایک دن معلوم ہوا کہ لڑکا والوں نے مزید  
انکھوں سے انکار کر دیا ہے کیونکہ وہ تھی سے باپ کی میتوں میخ سے تالک آ جکے ہیں،  
بار بار وہ ان سے جا جا کر رکھتا تھا۔ دیکھتے لڑکی کے جہیز میں اتنے جوڑے ہوں  
پر تنوں کی تعداد یہ ہو، لڑکی نے انگر میر کا عدوں مکمل کی کی تو اس کی سر زحلاتی ہوگی۔  
فلسہ دیکھنے ہرگز نہ جائے گی۔ پر درے میں رہے گی۔

میں نے جب ان رجبا باتوں کا ذکر تھی سے کیا تو وہ اپنے باپ کی طرف ہو گیا۔

”نہیں منشو صاحب لڑکی والے طھیک نہیں ملابا کا یہ کہنا طھیک ہے کہ وہ مجھے زن مرید بنانا چاہتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”ایسا ہے تو چھوڑو کسی اور جگہ سہی۔“

تفقی نے کہا۔ ”ابا کو شش کمرہ ہے ہیں۔“

مولانا نے دو لکڑی میں اپنے ایک واقف کار کے ذریعے سے بات چیت شروع کی۔ سب کچھ ٹھہر ہو گیا۔ نکاح کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ مگر ایک دم کچھ ہوا اور سب کچھ ڈھون گیا۔ لڑکی والوں کو تلقی پسند نہ ہا، لیکن جب مولانا سے اچھی طرح ملنے جانے کا اتفاق ہوا تو وہ پچھے ہٹ گئے اور لڑکی کا رشتہ کسی اور جگہ پکا کر دیا۔ تفقی نے پھر اپنے باپ کی طرف نہ ارکی کی اور مجھ سے کہا۔ ”یہ لوگ بڑے لاپھی تھے منشو صاحب، ایک دو تین دن کا رہا کامیاب تو اپنی بات سے پھر گئے۔ اب اب شروع ہی سے کہتے تھے کہ یہ لوگ مجھے ایک دن بار معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن یہ خواہ مخواہ ان کے پچھے پڑا رہا کہ جلدی معاملہ طے کیجئے۔“ پھر اس سے کے بعد سبھر کی جگہ کوشش شروع ہوئی۔ یہاں بھی نتیجہ صفر، چو تھی جگہ بات چیت شروع ہوئی تو تفقی نے مجھ سے کہا منشو صاحب وہ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”بڑے شوق سے ملیں۔“

میں ان سے ملا آدمی شریف تھے مولانا سے ان کا چند مختصر باتیں ہوئیں میں نے تفقی کی تعریف کی۔ معاملہ طے ہو گیا، لیکن چند ہی دن بڑے بڑے پیدا ہو گئی، لڑکی کے بڑے بھائی نے کسی سے سُنا کہ مولانا دو کانہ پر اپنے نایک دوست سے کہہ رہے تھے۔ لڑکی میرے کہنے پر نہ چلی تو میں تفقی کی دوسری شادی کر دیں گا۔ وہ یہ سچا کہ میرے پاس آیا۔ میں نے مولانا کو بلوایا، ان سے پوچھا تو دار طھی پر باتھ پھر کر کہنے لگے۔ ”میں نے

کیا بڑا کہا۔ میں ایسی بہو تو گھر میں نہیں لانا چاہتا جو مرزا کہانہ مانتے۔ میں تقی کی شادی اسی لئے کر رہا ہوں کہ مجھے آرام پہنچے۔“

صحیبہ و غریب منطقِ تحقیق، میں نے پوچھا۔ آپ کو آرام خود رکھنا چاہئے مگر آپ کی یہ منطقِ میر کی سمجھتی میں نہیں آئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاوند اور جیر کی کا رشتہ آپ کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

مولانا نے کسی قدرِ خفگی کے ساتھ کہا۔ ”میں خاوند رہ چکا ہوں مسلمو صاحب۔ آپ کے خیالاتِ میر سے خیالات سے بہت مختلف ہیں۔ آپ کے ساتھ کام کر کے مجھے افسوس ہے میر سے مل کر کے خیالات بھی بدال گئے ہیں۔ یہ کہ کروہ تحقی میں مخالف ہوئے۔“ سنا تم نے میں ایسی لڑکی گھر میں لانا چاہتا ہوں جو میر کی تکہار کی خدمت کر رہے۔ اس کے بعد دیکھتا تک باہمی ہوتی رہیں۔ مدعی سے جو میر نے علیحدہ نکالا اور میں نے تحقی کو بتلایا۔ وہ کیوں بھی۔ بات یہ ہے کہ تکہار سے والد صاحب تکہار کی شادی کی نہیں کرنا چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر بار کوئی نہ کوئی شوشہ پھیر دیتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈنے کا لئے ہیں۔ تاکہ معاملہ آگے نہ بڑھنے پائے۔ مولانا خاصو خشی اپنی طلاقی پر ہاتھ پھر تے رہے۔ تقی نے مجھ سے پوچھا۔ ”کیوں۔ یہ میر کی شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے؟“

میر سے منہ سے بے اختیار نکلا گیا۔ ”مولانا کا دروغ خراب ہے۔“ مولانا کو اس قدر ٹھیک آیا کہ منہ میں جھاگ بھکر داہی تباہی بنکے لگے۔ میں نے تحقی سے کہا۔ ”جاوہ مولانا کو کسی ذہنی شفا خانے میں لے جاؤ۔ اور میری تباہی پا دے کھو۔ جب تک ان کا دروغ درست نہیں ہو گا۔ تکہار کی شادی کو گورنمنٹ نہیں

کر ریں گے۔ ان کی دماغی کی خبر ابھی کتاباً بحث وہ قربانی ہے جو انہوں نے تمہارے نئے کتب  
مولانا نے تلقیٰ کتاباز و زور سے پکڑا اور مجھے ہم لوایں سناتے چلے گئے۔ ولی محمد  
میرست پاس ٹھیکھا فاموشی میں رہا تھا دائیں دیروہ اپنے نوکیلی موکھوں کے درجہ سے  
بالکل غافل رہا، جبکہ مولانا اور تلقیٰ پلے گئے تو اس نے آنکھوں کا نادیہ درست کیکے  
ہوں کی طرف پیچھا اور کہا "مرد نخواب پورہ ہے بیمار ہے کا یعنی منظو صاحب آپ نے  
بادوں تو لد اونہ پاؤ رہنگی بابت کیمی۔ محاورہ درست استدعاں ہوتا ہے نہ ہے"  
تم نے تھا درست استدعاں کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ مولانا کی طبقت  
حدا ف کرنے ہوئے میں نے مناسب اور موزوں الفاظ استدعاں نہ کئے۔

دریٹ اساعون آدمی ہے جو ایک ولی محمد نے یہ کہہ کر اپنی موچھ کا ہٹلا کا باں بڑیے  
ذور سے کھوڑا۔ پسر ہم سنجیدگی افتخار کر کے بھر سے پوچھا "منظو صاحب کیا عقب  
تھا آپ نیا امن سے کہ مولانا کے دماغ کی خبر ابھی کتاباً بحث وہ قربانی ہے جو اس نے  
تلقیٰ کے لئے کی۔ بات شہور بادرن تو لے اور پاؤ رہنگی ہے۔ لیکن پورہ کا طرح میرے  
ذہن میں پلٹھی نہیں ہے۔"

میں نے اس کو سمجھایا۔ بیوی کی موت کے بعد ایک وقت جلد بسجا جس کے  
بعد مولانا نے تجدید کے درجہ گزارنے کا تہمیہ کیا، یہ چند بہائی طبعی موت مراتو آپ  
کے لئے دوسوگ ہو گئے۔ ایک بیوی کی موت کا دروسرا جذبے کی موت کا۔ وقت گزرنا  
چکا اور مولانا نہم کے کریے بنتے گئے۔ مجھے تو بھی ولی محمد پر بہت ترس آتا ہے  
مزیب پر۔ ایک شخص جس نے پیش کیا تک اپنے اور عورت کے درمیان ایک  
وینکار مائنی رکھی ہو۔ وہ کس طرح اپنے جوان بیٹے کے پہلو میں ایک جوان بخوبی

ویکو سکتا ہے اور وہ بھی نسلکروں کے بہت قریب ۔

دوسرے دن تحقی نہ آیا۔ ولی محمد کے باخدا اس نے کتابت کا میل بھجوادیلہ تجوہ ادا کر دیا گیا۔ تحقی کو ہوت افسوس تھا کہ یہی نے اس کے باپ کو برائی کھوار کیا ہیں تھے ولی محمد سے کہہ دیا۔ مجھے کوئی افسوس نہیں۔ تحقی کو معلوم ہونا پڑھئے تھا کہ اس کا باپ ذہنی اور روحانی طور پر بحیرہ ہے لیکن مجھے یہ افسوس خود رہ ہے کہ اس نے کام جھوٹ دیا ۔

ولی محمد نے تحقی سے واپس آئے کو کہا بلکہ وہ دہ مانا اس نے کسی اور دشمن میں ملازamt نہ کی اور دو کان پر بیٹھ کر کھیا ہی پہنچنے لگا۔ ولی محمد نے جب زور دیا تو اس نے دہمیں اکتابت کا کام بھجو شروع کر دیا ۔

میں ایک کام سے دہلی چلا گیا۔ نیکن چارہ ہیں وہاں بڑا کمزبینی لوٹا تو وہی فخر نے پڑیٹھ فارس رکھا پر یہ خبر سنائی کہ تحقی کی شاذی ایک ہفتہ پہلے بیرونی ہو چکی ہے مجھے یقین نہ آیا۔ لیکن ولی محمد نے قرآن کی قسم کھا کر کہا۔ "ذو میدھا حبیں جھوٹی نہیں کہتا۔ نکل کے چھوڑا۔" میں نے نسبھال کر کھجھونے لے ہیں جس کو کہا تو کہ ہوئی ہواں کے لئے اکثر ثابت ہوں گے۔

میں نے تحقی کو بُلا یا ملکر دہ نہ آیا۔

تقریباً دیڑھو مہینے کے بعد ایک دن علی الحصع ولی محمد آیا اس کی ذیکری میں پھیس لکھ رہی تھیں کہنے لگا۔ یعنی صاحب، اکمل رسمیت پڑا ہوئی باپ بیٹھے میں تحقی اپنی بیدی کو سے کر چلا گیا کہیں ۔

"کہاں؟"

"معلوم نہیں۔" یہ کہہ رائناں کو کا زاویہ بدلا کر ولی محمد نے اپنی نوکیلی موجھ پر

کو دیکھو۔ پچھے سمجھ میں نہیں آتا مندو صاحب۔ لڑائی کا ہادث معلوم نہیں ہو سکا۔  
—مولانا بالسکل خاموش ہیں۔

مولانا بہت دیر تک خاموش رہے اور ان کا بٹا محمد تقی بھی —  
بکھری میں ولی خدا اور اس کے ساتھیوں نے تقی کو بہت تلاش کیا مگر اس کا کوئی سڑاک نہ  
بہت دنور بند ولی خدا سے بجھے تقی کا ایک خط وصول ہوا لکھا تھا۔ بہت  
دنوں سے سوچ رہا تھا کہ آپ کو خط لکھوں اور حالات سے آگاہ کروں مگر جرأت  
ساتھ نہ دیتی تھی۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ خط کسی اور کون  
درکھارئے گا۔

آپ نے میرے والد کے متعلق جو کچھ کہا تھا ٹھیک نکلا۔ میں نے  
آپ کی باتوں کا بڑا مانا تھا۔ اس لئے کہ بجھے اصلیت کا علم نہیں تھا جو بجھے  
شادی کے بعد معلوم ہوئی میرے والد کا دماغ واقعی درست نہیں ہو سکتا ہے  
چہلے ٹھیک ہو، لیکن میر کی شادی کے بعد تو قطعاً ان کی دماغی حالات درست  
نہ تھی۔ ان کی بھی کو شش تھی کہ میں اپنی بیوی سے دوسرے ہوں بھی میں اللہ  
اس میں دوسری پیدائش کے لئے وہ عجیب و غریب طریقے ایک ادکرنے تھے  
جو ایک دیوانہ ہی کر سکتا ہے۔ میں نے بہت دیر تک بردہ اشت کیا۔ بجھے تمام  
واقعات بیان کرتے ہوئے بہت شرم محسوس ہوتی ہے۔ ایک روز میر کی  
بیوی غسلتی نے میں نہار ہی تھی۔ آپ نے دوڑا سے میں سے جھانک کر بیکھنا شروع  
کر دیا۔ میں اود کیا لکھوں۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اُن کے دماغ کو کیا ہو گیا ہے؟  
فدا ان کی حالت پر رحمہ کروے۔

میں یہاں دلی میں ہوں اور بہت خوش ہوں۔“  
 میں یہ خط پڑھتا تھا کہ ولی محمد آیا۔ اس کے پاس تقی کا اکیل خط تھا اس کا  
 طرف بڑھا کر اس نے کہا۔“ یہ خط تقی نے دلی سے اپنے باپ کو لکھا ہے  
 - صرف چند الفاظ میں۔“  
 ”میں نے پوچھا کیا ہے  
 ولی محمد نے کہا۔“ پڑھ رہے تھے۔  
 میں نے یہ الفاظ پڑھے۔ قبلہ والد صاحب اے۔ میں یہاں فیریت سے  
 ہوں۔ آپ نے میرا گھر آیا وہ کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ بھی اپنا گھر  
 آباد کر لیں۔“

ولی عمدہ نے آنکھوں کا زار دیہ بدل کر اپنی نوکیلی مونکھوں کو روکھیا اور کہا۔  
 ”منشو صاحب۔ لڑکا ہو شیار ہو گیا ہے۔ لیکن مولانا تو اپنی بات پکی کر رکھے ہیں۔“  
 ”کہاں؟“  
 ولی محمد کی مونکھیں تھرکیں۔ ایک گھمی سمجھنے والی سے پانچھوں گھص  
 میں اور سرکڑا ہے میں۔ محاورہ ٹھیک استعمال کیا ہے نہ منشو صاحب!“  
 ”میں ہنس پڑا۔“

لیکم جوں شہزادہ

# والی صاحب

تو فرقہ جب شام کو ملکہ میں آیا تو پریشان سزا تھا۔  
ڈور بربار نے کے بعد اس نے جمیل سے کہا۔ "لو بھٹی میں چلا۔"  
جمیل نے توفیق کے کوئے سے چٹے چڑے کی طرف خود سے دیکھا۔ اور کہا۔  
"اتھنی جلدی یا۔"

دیا خدا نے تاش کی گذشتی کے درجستے کر کے انہیں بڑے ماہراذ انداز  
میں پھینکنا شروع کیا۔ اس کی نکاہیں تاش کے پھر پھر انے پتوں پر تھیں۔  
لیکن بدرو شکن تو توفیق کی طرف تھا۔ تو فرقہ تراج تم پریشان ہر غلاف  
سمروں اور برتلے و مرتبہ ہارے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تraj شام کو اپنال  
یعنی نرس مار گرٹے نے تھا رے رو ما فس کو پوٹا سیم برو ما یہڈ پلا دیا۔

جمیل نے ایک بار پھر خود سے تو فیق کے چہرے کی طرف دیکھا۔ مگر یوں تبّنی۔  
آج پھر چھر کیسما رہا؟ ”

نیچیرا ہمیں کیسی پر سے اٹھا۔ تو فیض کی انٹلیوں میں پھنسا ہوا سکریٹ  
نکالا اور زور دکاکش لے کر کھینچ لگا۔ سب بکواس ہتھے۔ تو فیض نے آج تک جتنا  
رومانتس رہا تھا ہیں سب بکواس ہتھے۔ یہ نرس مار گیریٹ کا قھقرہ تو بالکل من گھر  
ہے۔ مری کی خصوصی ہواؤں سے یہاں لا ہو رکی گرمیوں میں آنے کے باعث  
اسے سر سام ہو گیا ہے۔“

تو فیض احمد کھٹا ہوا یہ بخوبی سمجھ سکے؟

نضیر ہنسا۔ اگر کہیں ہو تو آج کل میں ہو جائے گا۔ بتاؤ تمہارے  
ایا کب تک مہرماں میں رہیں گے؟ یہ کہہ کر وہ تو فیق کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

تو فیق نے اپنے کلف لگے ملanch کے کھڑتے کی تھیں اس تینوں کو اوپر پڑھایا اور جیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہ کہا۔ چلو چلیں۔ میر کی طبیعت دھماں گجرار ہی ہے ۔

جمیل اُنھلے بھئی تو قی تم کوئی بات چھپا رہے ہو نظر و ذکر فی انگریز

”کوڑا بڑا کچھ نہیں۔ نصیر کی بگواہی سے کوئی نہ ہے جس کی طبیعت نہیں  
تمہاری۔ تو فیق نے حیب سے باجانکالا اور مدنہ کے سماں تک لگا کر بجانانشہ عکس رکھ دیا۔

نھیر نے اپنی ٹانگیں میز پر کھینچ لاد دیں۔ اور زور سے کہا "بکواس ہے۔

سب لکھاں ہے۔ یہ دھن جو تم بجارتے ہے ہمار شید عطرے کی ہے۔ اور شید

خطرے کی کوئی دھن مٹ کر آج تک کوئی انگلو انڈین یا کمر سمجھیں نہیں جیوں بھی نہیں  
ہوتی۔ بہتر ہو گا اگر تم روپاں پر تھوڑا سا کھورو فارم چھڑک کر لے جاؤ ۔  
ریاض نے تاش کی گڈی اور کھدی اور نصیر کی ٹانگیوں ایک طرف ریلی اریں۔  
پھر بھی ہو یکیں ہمہ اتنا جانتے ہیں کہ تو فی یہاں اپنی گاڑی کا ہارن بجائے تو لڑکیاں  
سون کر اس پر غریفتہ ہو جاتی ہیں ۔

نصیر نے سلکر بیٹ کی عوردن ایش روپے میں دربائی۔ اور ساتھیکل کی  
گھنٹی بجائے تو آسمان سے فرشتے اتر نے شرمند ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ  
اس کی کھمانسی کی آواز سخن کر باخ جنلاح کی سواری بلیں اپنی نغمہ سراہی بھول  
گئی تھیں۔ بڑا ہنسنگامہ ہو گیا تھا۔ ماسٹر غلام حیدر نے پسلہ ایک ٹھہریہ  
ان کو ریہ سل کر اتی وتب جا کر وہ کہیں روپیاں کرنے لگیں۔“

تو فیق کے سوا باقی سب ہنسنے لگے۔ نصیر ذرا سنجیدہ ہو گیا اور کہر  
تو فیق کے پاس آگیا، اُس کے کلف لگے ملعل کے کروتے کی ایک شکن دست  
کی اور کہا：“ مناق بر طرف۔ لو اب بتاؤ ہسپاں کی لونڈ یا سے تمہد ا  
معاملہ کہاں تک پہنچا۔ میں تو سمجھتا ہوں وہیں کاد ہیں ہو گا۔ ایک خریف  
آدمی اپنڈے سائنس کا اپریشن کرائے پڑا ہے۔ مقررہ اوقات پر یہ  
نمہار کی نرس صاحبہ تشریف لا لقی ہیں۔ جناب صرف ایک دفعہ صبع اور  
ایک دفعہ شام درہاں جا سکتے ہیں۔ مریض اور وہ بھی قبلہ والد صاحب۔

وہ مریض اپنڈے سائنس اور تم مریض عشق۔

ریاض نے قریب قریب چاکر کہا۔ صوریں عشق پر رحمت خدا کی۔

نھیر کی رک مذاق پھر اک اٹھی ۔ اور مرنیپنی عشق پر جب خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے تو بینڈ ماسٹر بن جاتا ہے ۔ آج تو قی کامنہ باجا بجا رہا ہے، خدا کی رحمت شامل حال رہی تو کل سیکسون فون بجانے تے گا ۔ آہستہ آہستہ اس کے ساتھ دوسرے مرنیپان عشق شامل ہو جائیں گے ۔ پھر یہ بنا تو اس کے ساتھ منہ میں کارنٹ دربائے فلمی شیو میں بجا یا کمرے علاسیر امنڈ کی سے گزرتے ہوئے اس کی کلارنٹ کامنہ اوپنجا ہو جایا کمرے گا۔ گال روکنکنی کی طرح پھولیں گے۔ گلے کی رکیں ابھر آتیں گی، اور لوونڈ یاں کو سٹووس پرستے اس پر رحمت خدا اور نور کے پھول ببر سماںیں گی ۔

تو فیق تلک آگیا ہاٹھ جو درنھیر سے کہنے والے یہ بھاند پابند کرو۔ نھیر نے جمیل کی طرف دیکھا۔ لو صاحب ہم بھاند ہو گئے۔ دنیا بھر کی نقلیں یہ اتاریں۔ زمانے بھر کی خرافات یہ بکیں ہو رہا تھا ہم کہاں تھیں۔ یہ تو آج انہیں منہ میں گھنگنیاں ڈالے دیکھ کر میں نے چھپڑخانی شروع کر دی کہ ٹھاپر اسی حیلے اکسیں۔ منہ سے بولیں، سر سے کھیلیں۔ ورنہ جائے اس خالی است، کجوار ام رام کجھائیں میں یہ کہہ کر اس نے تو فیق کے مکلف لگے ململ کے سر تے کی شکن درست کی۔ بھی تو فیق ذرا پہکو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تو فیق نے جیب سے سگریٹ کیں تکالا۔ ایک سُلکا یا اور کش لیتا کر کی پر دیکھو گیا۔ میز پر سے تاش کی گلڈی اٹھائی رہو رہنیں کھیلیے گا۔ لیکن نھیر نے لپک کر پتھر اٹھا لیے یہ پتھر سے جرنبیوں کا کھیل ہے جو زندگی میں کئی بار اپنی تھا کہتے جلا پکھے ہوں۔ تم اتنے ماںوں کیوں ہو گئے ہو۔ مار گری۔

نہ سچی کوئی اور سچی ہے۔ یہ کہہ کر وہ جمیل اور ریاض سے مخالف ہوا یا پر وینا کہ  
یہ فتاہ کوئی ہے؟ یہ خوبصورت ہے؟ چند کے آفتاب چند کے ماهیات  
ہے؟ ۔ پانی پتی ہے تو گردن میں سے دکھائی دیا ہے؟

جمیل تو فیق سے پاس بیٹھو گیا۔ گوارہ نمار سمی کا حماوڑہ کیا ہے... یعنی  
بنظرِ محبوس باید درید۔ مارگرٹ بنظر تو فیق باید درید۔ کیوں تو فیق؟  
تو فیق خاموش رہا۔

"میں پورچھتا ہوں خوبصورت ہے؟ اس کے بعد سے آنڈو فاہم  
کی بھی بھیز باؤ آتی ہے؟ اس کی گردان دیکھو کہ گردن تو ٹھنکار ہوتا ہے یا نہیں؟  
یہ کہتا کہتا میز پر بیٹھو گیا۔" میشل کیوں کو جو نہ کام ہوتا ہے اس کا علاج تروہ  
خود رہا نتی ہوگی۔ خدا کے لئے مجھے اس سے ملا تو ورنہ مجھ پر صورتیا کے درست  
پڑھنے لگیں گے۔"

جمیل نے ریاض کی طرف دیکھا۔ اور ریاض اس کو کسی مرتبہ دیکھو چکا ہے؟  
"ریاض کے دیکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کو تو اندرھ عورتتا ہے۔" فیر سکراپ  
جمیل نے پوچھا۔ یہ اندرھ عورتتا کیا ہے؟"

فیر نے ریاض کے چشمے لگے چہرے کو تھوڑے دیکھا اور جمیل کو  
جواب دیا۔ "جناب یہ ایک بیماری کا نام ہے، اس کے مرض عورتوں کو نہیں دیکھ  
سکتے چاہے اصلی پھر کا چشمہ لگائیں۔"

ریاض مسکرا دیا۔ شاید اسی لئے مجھے مارگرٹ میں وہ عسن نظرہ آیا جس کا  
تعریف میں تو فیق نے زمین و آسمان کے قلابے میلار کھے تھے۔

تو فقیہ نے اپنا جھکا ہوا سر ٹھاکر ریاض سے صرف اتنا پوچھا، ”کیا وہ حسین نہیں تھی؟“

ریاض نے بواب دیا، ”ہرگز نہیں۔ صاف ستھری لڑکی البتہ خود رہے گی۔“  
”لانڈری سے تازہ تازہ آئی ہوئی شلوار کی طرح؟“ نصیرا بھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ریاض بول پڑا۔ ہاں پار۔ ایک دن اس نے شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔  
ان کپڑوں میں اچھی لگتی تھی۔ میں اور تو فی موڑ میں تھے۔ تو فی ڈرائیوری کمرہ ہاتھا۔  
مورٹر ہسپتال کے پھاٹکاں میں داخل ہوئی تو اسٹریٹرنس تو فی کے ہاتھوں کے  
پیچے پھسلے۔ لڑکی دیکھو کر ہمیشہ اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ میں نے سماں  
لیکھا تو وہ شلوار قمیص پہنے شکانتا چلی آ رہی تھی۔ تو فی نے مورٹر عین ان کے پاس  
روکی اور کہا۔ گود مورٹنگ۔ وہ مسکرانی۔ لکھنؤی اندازانہ سے دایاں ہاتھ مل تھے  
تک لے گئی، اور کہا۔ آداب عرض۔۔۔ جبکہ الراس میسی بولی۔  
ہے چالاک۔ تو فی ابھی کوئی فقرہ موزوں کر رہا تھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے  
مگر تیر قدم اٹھاتی آگے بڑھ گئی۔ تو فی نے فقرے کی چھوڑا اور سینے پر در  
ہستہ مار کر کہا۔ مارڈا۔ اتنے میں مار گرت کا عکس بیک دیوبند میں نمودار  
ہوا۔ تو فی نے بڑے تھیڑی انداز میں ایک عدد چمبا اس کی طرف پھینکا اور  
مورٹر استارٹ کر دی۔

”تمہاری اس گفتگو سے ثابت کیا ہوا؟“ نصیر نے دینے لگو نظریا لے  
با لوں کا ایک کچھ امروڑتے ہوئے کہا۔ ”بات یہ ہے کہ جب تک یہ فاکس اس کا پیشہ خود  
اس لونڈ یا کونہیں درجیے کا کچھ بھی ثابت نہیں ہو گا۔ جھوٹ بولوں تو تو فی ہی کامنہ کا لہو۔“

تو فیق خاموش سکریٹ کے کش لیتارہا۔

جمیل نے اپنی کرسی ذرا آگے بڑھائی اور ریاض نے پوچھا اچھا بھی یہ بتاؤ تو فیق نے کبھی اُسے مسٹر کی سیر نہیں کرائی؟“

ریاض نے جواب دیا۔ ”ایک دفعہ اُس نے کہا تھا تو اُس سے مجھے یاد نہیں رہا۔ اس نے کیا جواب دیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ تو فیق کو کھل کے بات کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ سمجھ پر چھر لینے یا میکہ لگانے کے لئے آتی ہے تو باپ کی موجودگی میں یہ اس سے کیا بات کر سکتا ہے۔ پھر بھی اشارہ و کناپور میں کچھ نہ کچھ ہر ہری جاتا ہے۔ میرا خیال ہے یہ ادا میں آج صرف اسی لئے ہیں۔ اس کے آبا جان دو تین دنوں میں ہسپتاں چھوڑنے والے ہیں، کیونکہ ذمہ بالکل بھرج کا ہے۔ کیوں تو فیق؟“

تو فیق نے صرف اتنا کہا۔ ”مجھے ستاؤ نہیں میرا۔“ اور انہوں کو باہر باغ میں چلا گیا۔ نصیر نے اپنی تھوڑی ہاتھ میں سکرٹ کی اور چہرے پر گہری فکر مندی کے نشانات پیدا کر کے کہا۔ ”کہیں لندے کے کو اسک تو نہیں ہو گیا۔“

”تو فیق اور عشق۔ دو متضاد چیزیں۔“ ریاض کو سی پر سے اٹھا اور سنجدگی سے کہنے لگا۔ ”کوئی اور ہی چیز ہوئی ہے حضرت کو۔— میرا خیال ہے لا ہود ہیں اس کا جو لگ گیا تھا۔ والد شہبک ہو گئے ہیں، تواب اسے راپس مری مانا پرے چا۔“ ”بخواہ ہے۔“ نصیر چلا یا۔“ کوئی اور ہی بات ہے۔ ستم بجہاں ٹھہرو۔

”میرا بھی ندیافت کر کے آتا ہوں۔“

نصیر اٹھ کر باہر چلنے لگا تو جمیل نے اس سے پوچھا۔ ”کس سے ندیافت کرنے پلے ہو۔“

نیھر مسکرا یا۔ گھوڑے کے منہ سے۔ انگوںزیر کی میں فروم وی ہارہ سن  
ماو تھا! یہ کہہ کر وہ باہر نسلکل گیا۔

جمیل نے ریاض کی طرف دیکھا اور سنجدگی سے پوچھا۔ ہاں بھی ریاض،  
یہ سلسلہ کیا ہے۔ تو فی ایک دن بہت تعریف کر رہا تھا۔ اس مار گرٹ کی۔ کہتا تھا  
کہ معاملہ پناہ معمو۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟

”ٹھیک ہی ہو گا۔ میرا مطلب ہے ایسا کون سا چتوڑ گرڈھ کا قلعہ ہے  
جو تو فی کو سر کرنا ہے۔ ایک دن کعد کی ڈور میں کافی میٹھی میٹھی باتیں کر رہے ہے؟  
وہ کیا؟“

”میں نے پاکٹ بک میں نوٹ کی ہوئی ہیں کسی روز پڑھ کے تمہیں  
سناؤں گا۔“

جمیل کے ہوتھوں پر کھسیا فی سی سکراہٹ پیدا ہوئی۔ منراق کرتے ہو یا۔  
سناؤ۔ سناؤ کوئی اور بات سناؤ۔ میرا مطلب ہے، یہ بتاؤ کہ میں کبھی اس نوں کیوں کیوں سننا ہوں۔  
”جب چاہو دیکھ سکتے ہو۔ ہسپتال پلے جاؤ۔ فیملی وارڈ میں تمہیں نظر  
آجائے گی۔ لیکن کیا کرو گے دیکھ کر۔ تمہارا اقدبہت چھوٹا ہے تم سے  
پورے ایک بالشت اوپنی ہے۔“

”اس قدم نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ بہترے علاج کرو اپنکا ہوں۔ ایک  
سو فی برابر اونچا نہیں ہوا۔ اچھا، میں نے کہا، ریاض۔ باب کی موجودگی  
میں تو فی اس سہاشوارے باز کی کیسے کرتا ہو گا۔ نہیں، لڑ کا ہو شیار ہے۔“  
ریاض نستاشی کی گلڑی اٹھانی اور پتے پھینٹے شروع کئے۔ رجھی خاصی صیبت

ہے۔ ہر وقت یہی دھڑکا کروالی تھی جو نہ لے تباہ نہ جلتے۔ کہتا تھا۔ جو نہیں انکی نگاہیں  
میر کی طرف اٹھتی تھیں، میں نظریں شجھ کر لیتا تھا۔ جب وہ آئی تھی تو دس پندرہ  
منٹوں میں مزید کو صرف تین چار مونٹے آنکھوں کو ملتے تھے۔

جمیل نے پوچھا یہ بڑی، ایس پی میں ناتوفی کے اباجان۔

”پاں بھتی۔ باپ ہونا بھی کافی ہوتا ہے۔ اور پر سے فریکی ایس پی۔“

جمیل نے آہ بھری۔ میر سے تمام رومنس غارت کرنے والے میرے  
اباجان ہیں۔ جس سے پہلے ان کی غارت گر کی اتنے زوروں پرندہ تھی، پر جب سے آپ  
غائہ کھبے سے واپس تشریف لائے ہیں۔ آپ کی غارت گر کی عدوی پر ہے جو صوتا  
ہوں بشادری کروں، ایک لڑکا پیدا کروں اور بیٹھا اس سے اپنا انتقام  
لیتا کر ہوں۔“

ریاض مسکرا یا۔“ جو کرنے جاؤ گے؟

”ایک نہیں دس دفعہ۔ صاحب نادے کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔“  
یہ کہہ کر اس نے میز پر زور سے مکا مارا۔ آواز کے ساتھ ہی نصیر زافل ہوا۔  
ریاض اور جمیل دونوں اس کی طرف خور سے رکھنے لگے، نصیر انتہائی سمجھدگی کے ساتھ  
کرسی پر بیٹھ گیا۔ جمیل کے دماغ میں کھدک ہونے لگی۔ کچھ دریافت کیا؟“  
”سب کچھ۔“ نصیر کا جواب مختصر تھا۔

ریاض نے پوچھا۔ ”تو ہی کہاں ہے؟“

”نصیر نے جواب دیا۔ چلا گیا ہے؟“

”کہاں؟“ یہ سوال ریاض نے کیا۔

”وابس مری۔“

نصر کا یہ جواب سُن کر ریاض اور جمیل دونوں بیک وقت بوسے۔ ”مری وابس“  
جی ہاں۔ ”مری وابس چلا گیا ہے، اپنی موٹر میں۔ ہسپتال سے سیدھا  
یہاں کلب آیا۔ یہاں سے سیدھا مری روانہ ہو گیا ہے۔“

نصر نے ایک ایک لفڑی چیا چبا کر ادا کیا۔

”آخر ہوا کیا؟“

نصر نے جواب دیا۔ ”حادثہ!“

جمیل اور ریاض دونوں بولے ”وکیسا حادثہ؟“

”تاہوں“ یہ کہہ کر نصر نے جیب سے سلگریٹ کی ڈبیان کالی جسی میں کوئی  
سلگریٹ نہیں تھا۔ ڈبیا ایک ہرف پھینک کر وہ ریاض اور جمیل سے مناطر بیٹھا۔  
”معاہدہ بہت سنگین ہے۔“

جمیل نے ریاض سے کہا۔ ”یراخیاں ہے تو فی پکڑا گیا ہو گا!“

ریاض نے کہا۔ ”معلوم ایسا ہی ہوتا ہے۔ آدمی کب تک کسی کی آنکھوں  
میں دھوک بھونک سکتا ہے مذکورہ میں، پی ہے۔ فرماً تارٹ گیا ہو گا۔ یہی  
نصر تم بتاؤ تو فی نے تم سے کیا کہا؟“

” بتاتا ہوں۔ ایک سلگریٹ دینا جمیل یہ  
جیل نے اس کو سلگریٹ دیا۔ سلگریٹ اس نے باشہروع کی زبان پر  
کی موجودگی میں اس کی نرس سے اشارہ باز کی ہوتی تھی۔ یہ تم لوگوں کو معلوم ہے  
یہ سلسلہ اشارہ باز کا بہت دختر سے جاری تھا۔ تو فی اس میں خاصا کامیاب  
وہیں تھا۔“

رہا تھا۔ باب کی موجودگی کے باعث اسے بہت زیادہ محتاط رہنا پڑتا تھا۔ وہ ذرا اگردن گھماتے تو یہ فوڈ آپنی آنکھیں بچپی کر دیتا۔ ان دستوں کے باوجود اس نے روٹ کی سری بطری طہاہی لیا۔ آف ڈبیوٹ کے روز شام کو وہ اسے ایک شدید سینما بھی لے گیا۔

**جمیل گفتگا ۷ داہا**

ریاض نے کہا "مجھ سے اس نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے" نصیر نے سکریٹ کاکش لیا۔ "سنیما میں وہ خوب ایک دوسرے کے ساتھ گھُل مل گئے۔ نیس کو توفی کا چنپل پنا بہت پسند آیا۔ پرسوں کی ملاقاتات میں آج کی شام طے ہوئی کروہ تو فی کے ساتھ دور تک موڑ میں سیر کرنے پلے گی اور تو فی اپنی عادت سے مجبور ہو کر اگر کوئی شرارت کرنا چاہیے گا تو وہ بُرا نہ ملنے گی"۔

**جمیل پھر گفتگا ۸ داہا**

ریاض نے اسے ٹوکا خاموش رہ جمیل" نصیر نے سکریٹ کا ایک کاکش لیا۔ پرسوں کی ملاقاتات میں جو بھٹک طے ہوا تھا میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ تو فی بہت خوش تھا۔ اپنے خیال کے مطابق وہ ایک بہت بڑا میدان مارنے والاتھا۔ آج دن بھر وہ اسکیمیں بنا تارہا۔ پھر دل کا انتظام اس نے کر دیا۔

کرم الہی نے اسے چوریں دے دیتے تھے۔ اس کی پرہیز پرہیز کی چوریں بھی حاصل کر لی تھیں جو غالباً ابھی تک امتیاز کے فرج بُدھیر میں تھنڈی کی ہو رہی ہیں۔ تو فی کی اسکیم یہ تھی کہ چنپوٹے کے پلیٹک چلپیں گے۔ جس دلنشتھے کے دریا، چناب کی لہری ہوں گی جو ستم بھی خوشگوار ہوگا۔ کلاس راستے میں خرید لیں گے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی بیس راڑے گی۔ خوب سخور جمیں گے۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔  
یہ کہہ کر نصیر ایک دم خاموش ہو گیا۔

جمیل نے بے چین ہو کر پوچھا یہ سارا معاملہ غارت ہو گیا؟“

نیز نے اثبات میں صریلایا ہے کہ اکٹھانے والے نگارت ہو گا؟

جمیل نے اور زیادہ بے چین ہو کر یو ٹھیک دیکھئے؟“

نیھر نے سگریٹ کی گزدان ایشٹر سے میں دبائی اور کہا۔ پر وگرام یہ تھا کہ وہ شام کو چھ بجے ہسپتال جاتے ہوا گھنٹہ بھر یہ گھنٹہ اپنے باپ کے پاس بیٹھ گا اس دوران میں جب مارگرٹ آئے گی تو وہ سیر کی بات پکی کر لے گا۔ بات پکنے ہو جلتے گی تو وہ سیدھا امتیاز کے ہاں جائے گا۔ کچھ دیر ہاں بیٹھے گا بیر کی ایک بوتل پئے گا۔ باقی پانچ موڑ میں رکھے گا اور جو جگہ مقرر ہوئی ہوگی وہاں مارگرٹ سے جا ملے گا۔ دل ددماغ سخت بے چین تھا۔ ٹھر سے وقت سے کچھ پہلے ہی نکل آیا۔ ہسپتال پہنچا۔ موڑ ایک ہرف کھڑی کی۔ وارڈ کی طرف چلا سیر ھیاں ٹھے کیس اور پہنچا۔ کمر سے کادر واڑہ کھولا تو ریکھتا ہے ۔۔۔۔۔

نیجرا ایک دم رک گیا۔ جمیل اور دریاضن دو نویں بیک و قدمت بولے یا کیا  
ذیکر تھا ہے۔ ۸

”دیکھتا ہے کہ شہزاد نصیر تھوڑی دیر کے لئے رکا۔“ میں توفی کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ کیا وہ سمجھتا ہوں کہ مارگرٹ پلٹنگ پر جملی سمجھتی ہے اور والد صاحب اسی کے ہونٹ پوس رہے ہے میں یہ

بیل امداد ریاض قریب قریب اچل پڑے۔ ”سچ؟“

نصیر نے جواب دیا۔ ”دروغ برگردانِ راوی“  
جمیل جس کے درماخ پر حیرت مسلط تھی بُڑا بُڑا ایسا کہا کر دیا۔ ڈکی،  
ایس پی صاحب نے؟“

ریاض نے نصیر سے پوچھا۔ ”تو فی نے کیا کیا؟“  
نصیر نے جواب دیا۔ آنکھیں نجھی کر لیں اور چلنا آیا۔  
جمیل ریاض سے مخالف ہونا۔ ”میرے والد صاحب قبلہ کبھی ایسے  
نظرارے کا موقع نہیں تو مرا آ جاتے۔ پتہ نہیں تو فی کیوں اس قدر پر لشیان تھا؟“  
نصیر نے کہا۔ ”تو فی کی والدہ صاحبہ اس کے ساتھ تھیں۔ تو فی نے  
محھ سے کہا میں تو نظریں نجھی کر کے چل دیا۔ لیکن احمد جان دروازہ کھول کر  
اندر کھرے میں چلی گئیں۔“  
جمیل نے پر افسوس لہجے میں کہا۔ ”قبلہ والد صاحب کے ساتھ یہ  
زیادتی ہوئی۔!“

## محوت زاد

ہمارا جگت سے ریس کوزس پر اشوك کی ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد دنورن بے تکلف دوست بن گئے۔  
ہمارا جگت کو ریس کے گھوڑے سے پانے کا شوق ہی نہیں خبیط تھا۔  
اس کے اصطبلیں میں اچھی سے اچھی نسل کا گھوڑا موجود تھا اور محل میں جس کے لذبیدری کو ریس سے صاف دکھائی دیتے تھے، طرح طرح کے عجائب موجود تھے۔

اشوك جب پہلی بار محل میں گیا تو ہمارا جگت نے کئی گھنٹے صرف کر کے اس کو اپنے تمام نوازدہ دکھائے۔ یہ چیزیں جمع کرنے میں ہمارا جگت کو سارے بیانیں کاروڑہ کرنا پڑتا تھا۔ ہر ملک کا کونہ کونہ چھاتنا پڑتا تھا۔

اشوک بہت متاثر ہوا۔ چنانچہ اس نے نوجوان ہمارا مجھ کے ذوق انتساب کی خوبی داد دی۔

ایک دن اشوک گھوڑوں کے لینے کے لئے ہمارا جہ کے پاس گیا۔ تو وہ ڈارک روم میں فلم دیکھ رہا تھا۔ اسی نے اشوک کو وہیں ملبوالیا۔ سکسٹین ملی میر فلم تھے جو ہمارا جہ نے خود اپنے کمپرسے سے لئے تھے جب پرد جیکٹر چلا تو پھلی رسمی پوری کی پوری پردے سے پرد وڑ گئی۔ ہمارا جہ کا گھوڑا اس رسمی میں دن آیا تھا۔

اس فلم کے بعد ہمارا جہ نے اشوک کی فرمائش پر اور کہیں فلم کی کچھ سوئیز رینڈر، پیرس، نیو یارک، ہونو لو لو، ہوائی، وادی کشمیر۔ اشوک بہت محظوظ ہوا یہ فلم قدر ترقی رنگوں میں تھے۔

اشوک کے پاس بھی سکسٹین ملی میر کمپرہ اور پرد جیکٹر تھا مگر اس کے پاس فلموں کا اتنا ذخیرہ نہیں تھا۔ دراصل اس کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ اپنا یہ شوق جی بھر کے پورا کر سکے۔

ہمارا جہ جب کچھ فلم دکھا چکا تو اس نے کمرے میں روشنی کی اور بڑی بے تکلفی سے اشوک کی ران پردھا مار کر کہا۔ "اور سناؤ دوستہ اشوک نے سگریٹ سلا گایا۔ "مز آ آ سگریٹ فلم دیکھ کر" "اوہ دکھاؤں" "نہیں، نہیں" "

"نہیں بھائی ایک ضرور دیکھو۔ مزا آ جائے گا نہیں یہ کہہ کر ہمارا جہ

گ نے ایک صندوق پر کھوں کراپاریل نکالی اور پر جیکٹ پر جوڑھا دی۔  
”ذرما طمینان سے دیکھنا۔“

اشوک نے پوچھا۔ ”کیا مطلب؟“

ہمارا جہنے کمرے کی لامٹ اوف کردی۔ ”مطلب یہ کہ ہر جز خود سے  
دیکھنا۔“ کہہ کر اس نے پر جیکٹ کا سوچ دبادریا۔

پر دے پر چند لمحات صرف سفید روشنی تھر تھر اق رہی، پھر ایک دم  
تھویریں شروع ہو گئیں۔ ایک الف ننگی عورت صوفے پر لیٹی تھی۔ دوسرا  
سنگار منیر کے پاس کھڑی بال سنوار رہی تھی۔

اشوک کچھ دیر فاٹوش بیٹھا دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ایک دم اس کے  
حلق سے عجیب و غریب آواز نکلی۔ ہمارا جہنے ہنس کر اس سے پوچھا  
”کیا ہوا؟“

اشوک کے حلق سے آواز پھنس پھنس کر باہر نکلی۔ بند کرو یا بند کرو  
”کیا بند کرو؟“

اشوک اٹھنے لگا، مگر ہمارا جہ گ نے اسے پکڑ کر بٹھا دیا۔ فلم  
تمہیں پورے کا پورا دیکھنا پڑے گا۔

فلم چلتا رہا، پر دے پر برہنگی منہ کھو لے ناچھتی رہی، مراد عورت کا  
جنسی رشتہ مادرزاد بڑیانی کے ساتھ تھر کتا رہا، اشوک نے سارا دقت  
بیچھی میں کاٹا جب فلم بند ہوا اور پر دے پر صرف سفید روشنی تھی تو اشوک  
کو ایسا محسوس ہوا کہ جو کچھ اس نے دیکھا تھا پر جیکٹ کی بجائے اس کی آنکھیں

پھنسکر رہ جا ہیں۔

بہار اجہگ نے کمرے کی لائٹ اون کی اداشوک کی طرف ایکھا اور ایک زور کا قبہ رکھا۔ ”کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“

اشوک کچھ سکاڑ سا گیا تھا۔ ایک دمروٹنی ہونے کے باعث اس کی سنگھیں بھنجی ہوئی تھیں۔ ماتھے پر سینے کے موٹے موٹے قطرے تھے جہار اجہگ نے زور سے اس کی ران پر دھپا مارا اور اس قدر بے تحاشا ہنسما کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اشوک صوفی پر سے اٹھا رومال نکال کر اپنے ماتھے کا پسید پوچھا۔ ”کچھ نہیں یار؟“

”کچھ نہیں کیا۔ مرا نہیں آیا۔“

اشوک کا حلقوں سو کھا ہوا تھا۔ تھوک نگل کر اس نے کہا۔ ”کہاں سے لائے یہ فلم؟“

بہار اجہ نے صوفی پر لٹتے ہوئے جواب دیا۔ ”پیرس سے۔ پے بی پے رکیا!“

اشوک نے سر کی چھٹکا سازی۔ ”کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”کیا؟“

”یہ لوگ شیرا مطلب ہے کہ یہ کے سامنے یہ لوگ کیسے...“

”یہ تو کمال ہے۔ ہے کہ نہیں؟“

”یہ ہے تو سی۔ یہ کہہ کر اسفوک نے رومال سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔“

”سارے کی تصویریں جیسے میر کی آنکھوں میں پھنس سی گئی ہیں۔“

”ہمارا جہگ اٹھا۔“ میں نے ایک دفعہ چند لیڈریز کو یہ فلم درکھایا۔“  
اشوک چلا یا۔“ لیڈریز کو؟“  
”ہاں ہاں۔ بڑے مزے لے لے کر دریکھا انہوں نے۔“  
”غاظت۔“

ہمارا جہ نے بڑی سمجھیدگی کے ساتھ کہا۔ پسح کہتا ہوں۔ ایک دفعہ  
دریکھ کر دوسری دفعہ پھر دریکھا۔ جنحتی چلا تی اور خستی رہیں۔“  
اشوک نے اپنے سر کو جھٹکا ساڑیا۔ مدد ہو گئی ہے، میں تو سمجھتا تھا وہ  
بیہودش ہو گئی ہوں گی۔“

”میرا بھی یہی خیال تھا، لیکن انہوں نے خوب لطف اٹھایا۔“  
اشوک نے کہا۔“ کیا یورپ میں تھیں؟“

ہمارا جہگ نے کہا۔“ نہیں بھائی۔ اپنے دیس کی تھیں۔ مجھ سے کتنی بار  
یہ فلم اور پروجیکٹر مانگ کر لے گئیں۔ معلوم نہیں کتنی سو ہیلیوں کی یہ کھا چکی ہے۔  
”میں نے کہا۔“ اشوک کچھ کہتے کہتے رک گیا۔  
”کیا؟“

”ایک دو روز کے لئے یہ فلم دے سکتے ہو مجھے؟“  
”ہاں ہاں لے جاؤ۔“ کہہ کر ہمارا جہ نے اشوک کی پسلیوں میں ٹھونکا  
ڈیا۔ ”سماں کو دکھائے گا۔“  
”دوستوں کو؟“

”دکھا، جس کو بھی تیری مرضیا۔“ یہ کہہ کر ہمارا جہگ نے پروجیکٹر میں سے

فلم کا اسپول نکالا اس کو دوسرے اسپول پر چڑھا دیا اور ڈب اشوک کے  
حوالے کر دیا۔ اسے پکڑا۔ علیش کرے ॥

اشوک نے ڈبہ ہاتھ میں لے لیا۔ تو اس کے بعد نہیں جھگیرہ سی دوڑ  
گئی۔ گھوڑوں کے سپ بینا بھول گھیا اور چند منٹ ادھراً دھری باتیں کرنے  
کے بعد چلا گیا۔

گھر سے پرو جیکٹ رے جا کر اس نے کئی دوستوں کو یہ فلم دکھایا۔ تقریباً  
سب کے لئے انسانیت کی یہ عربیانی بالکل نئی چیز تھی، اشوک نے ہر ایک کا  
ردِ عمل نوٹ کیا۔ بعض نے خفیف سی گھبراہٹ اور فلم کا ایک ایک اپنے خواہ سے  
دیکھا۔ بعض نے تھوڑا سماں لیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ بعض آنکھیں کھلی رکھنے  
کے باوجود فلم کو تمام و کمال طور پر نہ دیکھ سکے۔ ایک برو اشتہ نہ کر سکا  
اور رامڑھ کر چلا گیا۔

تین چار روز کے بعد اشوک کو فلم لوٹانے کا خیال آیا تو اس نے سوچا۔  
کیوں نہ اپنی بیوی کو دکھاؤں چنانچہ وہ پرو جیکٹ را پنے گھر لے گیا۔ رات ہوئی  
تو اس نے اپنی بیوی کو جلبایا، دروازے سے بند کئے پرو جیکٹ کا لٹکشون وغیرہ ٹھیک  
کیا۔ فلم نکالا۔ اس کو فٹ کیا۔ کمرے کی بیچی بجھائی اور فلم چلا دیا۔

پرندے پر چند لمحات سفید روشنی پھر تھرائی پھر تصویر ہی شروع  
ہوتیں۔ اشوک کی بیوی زور سے چینی، تڑپی، اُچھلی، اس کے منہ سے بجیب وہ  
غزیب آوازیں نکلیں۔ اشوک نے اسے پکڑ کر بٹھانا چاہا تو اس نے آنکھوں  
پر ہاتھ رکھ لئے اور چیننا شروع کر دیا۔ ”بند کرو۔ بند کرو“

اشوک نے نہیں کر کھا۔ اور بے بھی تو بیکھو۔ شرم اتنی کیوں ہو۔“

”نہیں نہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے ہاتھ پھیرا کر بجا گناہا۔

اشوک نے اس کو زور سے پکڑ دیا، وہ ہاتھ جو اس کی آنکھوں پر تھا ایک طرف کھینچا، اس کھینچا تانی میں دفعتاً اشوک کی بیوی نے رونا شروع کر دیا اشوک کے بریک سے لگ گئی، اس نے تو محض تفریج کی عاظرا پنی بیوی کو فلمزد کھایا تھا۔

روتی اور بڑی بڑی اس کی بیوی کی دروازہ کھوی کر باہر نکل گئی۔ اشوک چند لمحات باسکل خالی الذہب بیٹھا نشگی تصویریں دیکھتا رہا جو حیوانی حرکات میں مشغول تھیں۔ پھر ایک دم اس نے معا ملے کی نزاکت کو محسوس کیا۔ اس احساس نے اسے خجالت کے سمندر میں غرق کر دیا۔ لیکن حیرت ہے کہ مجھے اس کا خیال تک نہ آیا۔ نوستور کوڑ کھایا تھا، پھر کھا، پھر میں اور کسی کو نہیں اپنی بیوی کو، ...۔ اس کے ما تھے پرہ پیدیہ آگیا۔

فلم چل رہا تھا، مادر نہ اور بہن بھی مختلف آسن اختریار کرتی دوڑ رہی تھی، اشوک نے اٹھ کر سورج اوف کر دیا۔ پردے پر سب کچھ بچھ گیا، مگر اس نے اپنی نگاہیں دوسری طرف پھر لیں، اس کا دل، دماغ شرمساری میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ احساس اس کو پیچھہ رہا تھا کہ اس سے ایک نہایت ہی نازیبا، نہایت ہی وہیات حرکت سرزد ہوئی ہے اس نے یہاں تک صورچا کر دے کیسے اپنی بیوی سے آنکھ ملا سکے گا۔

کمر سے میں گھوپ اندر چھرا تھا۔ ایک سکر بیٹھ سلکا کر اس نے احساسِ ندامت کو مختلف خیالوں کے ذریعے سے دور کرنے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوا تھوڑی دیر درماخ میں ادھر ادھر را تھہ مارتا رہا۔ جب چاروں طرف سے صرزنش ہمیں سہ زنش ہوئی تو زی پر چھو گیا، اور ایک عجیب سی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوئی کہ جس طرح کمر سے میں اندر چھرا ہے اسی طرح اس کے دماغ پر بھی اندر چھرا چھا جائے۔

بارہ بارہ سے یہ چیز ستارہ ہی تھی، ایسی و زہیات حرکت اور مجھے خیال تک نہ آیا۔

پھر وہ سوچتا بات اگر ساس تک پہنچ گئی۔ سالیوں کو پتہ چل گیا۔ دیر سے متعلق کیا راتے قائم کریں گے۔ یہ لوگ کہ ایسے گرے ہوئے افلاق کا آدمی نکلا۔ ایسی گندی ذہنیت کہ اپنی بیوی کو۔۔۔

تناہی ہر کراشونک نے سکر بیٹھ سلکا کیا، وہ نگلی تصویریں جو وہ کہی بار دیکھو چکا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے ناچلنے لگیں۔ ان کے عقب اسے اپنی بیوی کا چڑھنے نظر آتا۔ تیران و پریشان جس نے زندگی میں پہلی بار محفوظت کا اتنا بڑا طھیرہ لیکھا ہیو، سر جھٹک کراشونک اٹھا اور کمر سے میں ٹھلانے لگا۔ مگر اس سے بھی اس کا اضطراب اور نہ ہوا۔

لکھوڑی دیر کے بعد وہ دبے پاؤں کمر سے سے باہر نکلا، ساتھ دالے کمر سے میں جھانک کر دیکھا۔ اس کی بیوی منہ سر پیٹ کر لیتی ہوئی تھی کافی دیر کھڑا سوچتا رہا کہ اندر جا کر مناسب و منزہ ول اخاذ میں اس سے

معافی مانگئے، ملکر خود میں اتنی جھٹ پیدا نہ کر سکا۔ دبے پاؤں لوٹا اور انڈھیرے  
کھرے میں صوف نے پر لپٹ گیا، دیر تک جا گئی تھا، آخوندو گیا،  
صحیح سوچ پر سے الٹھا، رات کا واقعہ اس کے ذہن میں تازہ ہو گیا،  
اشوک نے بیوی کی سے ملنے امن نسبت سمجھا اور ناشستہ کئے بغیر نکل گھٹا،  
آفس میں اُس نے دل رکھا کہ کوئی کام نہ کیا۔ یہ احساس کے دل و دماغ  
کے ساتھ چپک کر رہا گیا تھا۔ ایسی داہمیات حرکت اور مجھے خیال تک نہ آیا۔  
کئی بار اس نے گھر بیوی کو میلی خون کرنے کا ارادہ کیا مگر ہر بار نہیں کر کے  
آدھے ہندے سے گھٹا کر ریسورڈ کھدر دیا۔ در پھر کو گھر سے جب اس کا کھانا آیا  
تو اس نے تو کہر سے پوچھا۔ ”میم صاحب نے کھانا کھایا۔“

ذوکر نے جواب دیا۔ ”جی نہیں۔ وہ کہیں باہر گئے ہیں۔“

”کھاں؟“

”معلوم نہیں صاحب!“

”کب گئے تھے؟“

”گوارہ بیکے!“

اشوک کا دل دھڑکنے لگا۔ بھوک غائب ہو گئی۔ دو چار نوازے کھلتے  
اور ہاتھ اٹھا دیا۔ اس کے دماغ میں ملپول پچ گئی تھی۔ طرح طرح کے خیالات  
پیدا ہو رہے تھے۔ یہ گوارہ بیکے۔ ابھی تک کوئی نہیں۔ کہی کہاں ہے۔ مل  
کے پاس؟ کیا دو اسے سب بتائے گی؟ ضرور بتائے گا۔ ماں سے بیٹھی  
سید بچھو کہہ سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہنوں کے پاس گئی ہو۔ سنیں گی تو کیا کہیں گا؟

— دو نور میری کتنی بُلزَت کر تھی تھیں، جانے بات کہاں سے کہاں پہنچے گی۔ ایسی  
واہیات حرکت اور مجھے خیال تک دن آیا۔“

اشوک ہر فس سے باہر نکل گیا، موٹر لی اور ادھر ادھر آؤارہ چکر لگاتا رہا  
جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اس نے موڑ کا رُخ گھر کی طرف پھیر دیا۔“ دیکھا جائے گا  
جو کچھ ہو گا۔“

گھر کے پاس پہنچا تو اس کا دل زور زد رہے دھڑکنے لگا۔ جب نفت  
ایک دمچکے کے سماں تھا اور پر المٹی تو اس کا دل اچھل کر اس کے سند میں آگیا۔  
نفت تیسرا منزل پر ہو کی، کچھ دیر سوچ کر اس نے مدد و رازہ کھولا اپنے  
فلیٹ کے پاس پہنچا تو اس کے قریب گئے اس نے سوما کہ لوت  
چلتے، مگر فلیٹ کا دروازہ کھلا اور اس کا نوکر بیڑی پینے کے لئے باہر نکلا  
اشوک کو دیکھ کر اس نے بیڑی ہاتھ میں چھپا لی اور سلام کیا، اشوک کو انداز  
داخل ہونا پڑا۔

نور کے پیچے پیچے آ رہا تھا، اشوک نے پلٹ کر اس سے پوچھا۔  
”میم صاحب کہاں ہیں؟“

ذیکر نے جواب دیا۔“ اندر کمرے میں ہیں!“

”اوہ کون ہے؟“

”ان کی بہنیں صاحب۔ کولا بے والے صاحب کی میم صاحب  
اوہ دو پارسی باتیاں!“

یہ سن کر اشوک بڑے کرے کی طرف بڑھا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے

دھنڈا دیا۔ اندر سے اشوک کی بیوی کی پسلی ملکہ تیز آواز آئی۔ ”کون ہے؟“  
نوك کر بولا۔ ”صاحب“

اندر کھرے میں ایک دم کھڑ بڑ شروع ہو گئی چینیں بلند ہوتیں۔ دروازہ کی چٹنیاں کھلنے کی آوازیں آتیں، کھٹ کھٹ، پھٹ پھٹ ہوتی۔  
اسوک کو رکھنے سے ہوتا پہلے دروازے سے کھرے میں داخل ہوا تو  
اس نے دیکھا کہ پرد جیکر چل رہا ہے اور پرد سے پردانا کار و شنی ہے دھنڈی  
دھنڈی انسان شکلیں ایک لفڑت انگیز ہیجان کی ایک آہنگی کے ساتھ  
حیوانی حرکات میں مشغول ہیں۔  
اشوک بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

۲۰ جون ۱۹۷۴ء



## حکمت حقیقی

عشق و محبت کے بارے میں اخلاق کا نظریہ وہی تھا جو اکثر عاشقوں اور محبت کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ وہ راجح ہے پیر کا چیلہ انہا عشق میں مرجانا اس کے نزدیک ایک عظیم الشان صفات مرتدا تھا۔

اخلاق تیس برس کا ہو گیا مگر با وجد کی شش روں کے اس کوئی سے عشق نہ ہوا۔ لیکن انکی دن انگرہ ڈبرگ میں کی پچھر، فود ہوم دری بل ٹولنہ کا پیٹھی شود پکھنے کے دروان میں اس نے محسوس کیا کہ اس کا وہ اس بر قعہ پوش ریڑی سے واپسی ہو گیا ہے جو اس کے ساتھ دالی سیدھ پیٹھی تھی اور سارا وقت اپنی طماںگ بہلاتی رہ ہی تھی۔

پند سے پر حب سائے کسی اور دشمنی نہ یادہ ہوئی تو اخلاق نے اس

لڑکی کو ایک نظر دیکھا۔ اس کے ماتحت پر پیشہ کے متحفے نفعے قدر سے تھے۔ ناک کی پچھنچ پر چند بوندیں تھیں۔ جب اخلاق نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی ڈنائگ لٹنا بند ہو گئی۔ ایک ادا کے ساتھ اس نے اپنے سیاہ بر قعے کی جالی سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ یہ حکمت کچھ ایسی تھی کہ اخلاق کو سبے اختیار منسی آگئی۔

اس لڑکی نے اپنی سہیلی کے کان میں کچھ کہا، دو نوں ہوئے جو لوٹھیں اس کے بعد اس لڑکی نے نقاب اپنے چہرے سے ہٹالی۔ اخلاق کی طرف تیکھی تیکھی نظر وہ دیکھا اور ڈنائگ ہلا کر فلم دیکھنے میں مشغول ہو گتا۔ اخلاق سکریٹ پی رہا تھا۔ انگرڈ برگ میں اس کی محبوب ایکسٹر تھی۔ دو رہوم دی بلکل ٹولنے میں اس کے بال میٹھے ہوتے تھے۔ فلم کے آغاز میں جب اخلاق نے اُسے دیکھا تو وہ بہت ہی چیار کی معلوم ہوتی۔ لیکن ساتھ دو والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی لڑکی دیکھنے کے بعد وہ انگرڈ برگ میں کوچھوں گھیا۔ یوں تو قریب قریب سارا فلم اس کی نکا ہوں کے سامنے پلا۔ مگر اس نے بہت سمجھا۔

سارا وقت وہ لڑکی اس کے دل و دماغ پھانی رہی۔

اخلاق سکریٹ پر سکریٹ پیارہ پا۔ ایک مرتبہ اس نے راکھ جھاڑی تو اس کا سکریٹ انگلیوں سے نکال کر اس لڑکی کی گود میں جا پڑا اور اس کی فلم دیکھنے میں مشغول تھی، اس لئے اس کو سکریٹ سکریٹ لگھا پینا نہ تھا۔ اخلاق بہت سمجھرا ہیٹھ میں اس نے باقاعدہ ہٹھا کر سکریٹ اس کے بر قعے پر سے لٹھایا اور فرش پر چینک دیا۔ لڑکی ہٹر بڑا کر اٹھ کھڑی ہوتی۔ اخلاق نے

فونڈ کہا۔ معاافی چاہتا ہوں۔ آپ پر سمجھ ریت گر گیا تھا۔  
لڑکی نے تمکھی تکمیلی نظر وہ سے اخلاق کی طرف دیکھا اور بیٹھ گئی۔ بیٹھ کر  
اس نے اپنی سہیلی سے سرگوشی میں کچھ کہا۔ دونوں ہو لے ہوئے ہیں۔ اور فلم  
ویکھنے میں مشغول ہو گئیں۔

فلم کے اختتام پر جب قائد انظام کی تصویر بخودار ہوئی تو اخلاق اٹھا۔  
خدا معلوم کیا ہوا کہ اس کا باوس اس لڑکی کے پاؤں کے ساتھ نکرا یا۔ اخلاق  
اکیس بار پھر سرتاپ معدودت بن گیا۔ معاافی چاہتا ہوں۔ جانتے آج کیا ہو گیا ہے؟  
دونوں سہیلیاں ہو لے ہوئے ہیں۔ جب بھیر کے ساتھ باہر نکلیں تو  
اخلاق ان کے پیچے پیچے ہو لیا۔ وہ لڑکی جس سے اس کی پہلی نظر کا لمحش قہوہ  
تھا۔ مڑا مڑ کر دیکھتی رہی۔ اخلاق نے اس کی پروانہ نہ کی۔ اور ان کے پیچے پیچے چلتا  
رہا اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس لڑکی کا مکان دیکھ کر رہے گا۔

مال روڈ سے فٹ پاٹھ پروافی، ایم، سی، اے کے سامنے اس روکی نے  
مگر اخلاق کی طرف دیکھا۔ اور اپنی سہیلی کا ہاتھ پکڑ کر رکھ گئی۔ اخلاق نے اسکے  
نکلتا چاہا تو وہ لڑکی اس سے مخاطب ہوئی۔ آپ ہمارے پیچے پیچے کیوں آ رہے ہیں؟  
اخلاق نے ایک لمحظہ سوچ کر جواب دیا۔ آپ میرے آگے آگے کیوں ہماری  
ہیں۔

لڑکی کھلکھلا کر نہیں پڑھی۔ اس کے بعد اس نے اپنی سہیلی سے کچھ کہا۔  
بھروسوں چل پڑیں۔ میں اسٹینڈ کے پاس اس لڑکی نے جب مڑ کر دیکھا تو اخلاق نکلا۔  
”آپ پیچے آجائیے میں آگے بڑھ جاتا ہوں“

لڑکی نے منہ موڑ لیا۔

انار کلی کا موڑ آیا تو دونوں صہبیمیاں ٹھہر گئیں۔ اخلاق پاس سے گزرنے لگا تو اس لڑکی نے اس سے کہا۔ آپ ہمارے سے پیچے نہ آئیے۔ پہ بہت بڑی بات ہے۔“

لہجے میں بہت سمجھیدگی تھی۔ اخلاق نے بہت بہتر کہا اوندو اپس چل دیا۔ اس نے مرد کو بھی ان کوئنہ دیکھا۔ لیکن دل میں اس کو افسوس تھا کہ وہ کیوں اس کے پیچے نہ گیا۔ اتنی دیر کے بعد اس کو اتنی شدت سے محسوس ہوا تھا کہ اس کو کسی سے محبت ہوئی ہے۔ لیکن اس نے موقعہ ہاتھ سے جانے دیا، اب خدا معلوم پھر اس لڑکی سے ملاقات ہو یا نہ ہو۔

جب رافی، ایم، سی، اے کے پاس پہنچا تو رُس کراں نے انار کلی کے موڑ کی طرف دیکھا۔ مگر اب وہاں کیا تھا۔ وہ تو اسی وقت انار کلی کی طرف چل گئی تھیں۔ رُس کی کرنیش برڑے پتلے پتلے تھے۔ باریک ناک چھوٹی ڈسی ٹھوٹی چھوٹی چھوڑ کی پتیوں جلیسے ہو رہا۔ جب پردے پر سلتے کم اور روشنی زیادہ ہوتی تھی تو اس نے اس کے بالائی ہونٹ پر ایک تل دیکھا تھا، جو بیجد پیار الگتا تھا۔ اخلاق نے سوچا تھا کہ اگر یہ تل نہ ہوتا تو پیارہ وہ لڑکی نامکمل رہتی۔ اس کا وہاں پر ہونا اشد ضرورتی تھا۔

چھوڑے چھوڑے قریم تھے جن میں کھوار پن تھا۔ چونکہ اس کو معلوم تھا کہ ایک مرد میرے پیچے پیچے آ رہا ہے۔ اس لئے ان کے ان چھوڑے چھوڑے قدموں میں ایک بڑی پیار کی لڑکھڑا ہوتے سی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا مرد کر تو دیکھنا خوب نہ تھا۔

گردن کو ایک خفیف صاحب شہزاد سے کروہ پچھے اخلاق کی طرف و میمتوں اور تیزی سے موڑ لیتی۔

دوسرے روز انگرڈ بروگ میں کافلیم پھر دیکھنے گیا۔ شور شروع ہوڑ پکا تھا۔ والٹ ڈزنی کا کار ٹوون چل رہا تھا کہ وہاں درہاں میں دینکلی مجاہد۔ ہاتھوں کو ہاتھ سمجھائی نہیں دیتا تھا۔ بیکٹ کیس کی بیٹری کی اندھی روشنی کے سہارے اس نے ٹاؤن ٹاؤن کر ایک خالی سیٹ تلاش کی اور اس پر بیٹھ گیا۔

مذکور کا کار ٹوون بہت زیاد تھا۔ اور اصرار دھکتی تماشانے میں رہ رہے تھے۔ دفعتاً بہت ہی قریب سے اخلاق کو ایسی منسمی سنائی دی جس کو وہ پہچا نتا تھا۔ مگر اس نے پچھے دیکھا تو وہی لڑکی بیٹھی تھی۔

اخلاق کا ذریعہ دھک کرنے نے لگا۔ لڑکی کے ساتھ ایک خوبیوں لہو کا بیٹھا تھا۔ شکل و صورت کے انطباق سے وہ اس کا بھائی تھا۔ اس کی موجودگی میں وہ کس طرح بار بار لڑکہ کر دیکھ سکتا تھا۔

انٹروں ہو گیا۔ اخلاق کو شش کے باوجود فلم رجھی طرح نہ دیکھ سکا۔ روشنی ہوتی تو وہ اٹھا۔ لڑکی کے چہرے پر ذوقاب تھا۔ مگر اس وہیں پر دے کے پچھے اس کی آنکھیں اخلاق کو نظر آئیں جن میں مسکراہٹ کی چمک تھی۔

لڑکی کے بھائی نے سگریٹ سکال کر سلاٹا یا۔ اخلاق نے اپنی جیب میں ہاتھ فراہم کیا۔ تو اس سے مخاطب ہوا۔ ذرا ما جس عنایت فرمائیے یہ

لڑکی کے بھائی نے اس کو ماچس دے دی۔ اخلاق نے اپنا سگریٹ سلاٹا یا۔ اور ماچس اس کو واپس دے دی۔ تھگریہ یہ

لڑکی کی ٹانگ ہل رہی تھی۔ اخلاقی اپنی سیاست پر بیٹھ گیا۔ فلم کا بھایا حصہ شروع ہوا۔ ایک دو مرتبہ اس نے مرکز کر لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس سے زیادہ دیکھنے کر سکتا۔

فلم ختم ہوا۔ لوگ باہر نکلنے شروع ہوئے۔ لڑکی اور اس کا بھائی ساتھ مانگتے تھے۔ اخلاقی ان سے ہٹ کر مجھے پیچے چلتے رکھا۔

اسٹینڈرڈ کے پاس بھائی نے ربی بہن سے کچھ کہا۔ ایک ٹانگے والے کو بہا یا، ایڈ کی اس میں بیٹھ گئی۔ لڑکا اسٹینڈرڈ میں چلا گیا۔ لڑکی نے نقاب میں سے اخلاقی کی طرف دیکھا۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ٹانگے ہل پر لڑکا اسٹینڈرڈ کے باہر اس کے تین چار درست کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک کی سماں تک اس نے جلد کی جلد کی پکڑی اور ٹانگے کے تعاقب میں روادہ ہو گیا۔ یہ تعاقب بڑا اور پیپر رہا۔ زندہ کی جہاں جل رہی تھی لڑکی کے چہرے پر سے نقارب اکھڑا ٹھہر جاتی۔ سیاہ جارجٹ کا پردہ پھر پھر اکھڑا اس کے سفید چہرے کی جھلکیاں دکھاتا تھا۔ کافنوں میں سونے کے بڑے بڑے جھومر تھے، پتلے پتلے ہو ٹوٹ پر سیاہی مائل سُرخی تھی۔ اور بالائی ہونٹ پر تل۔ وہ اشہد ضروری تل۔

بڑے زور کا جھونکا آیا تو اخلاقی کے سر پر سے ہٹ اٹر گیا اور سڑک پر رونٹ نے لگا۔ ایک لڑکا گزر رہا تھا۔ اس کے وہی لہر ہٹنے کے نیچے آیا اور یہی چوت ہو گیا۔ لڑکی ہنسی۔ اخلاق مسکرا دیا۔ مگر دل موجہ کر ہٹ کی کی لاشیں دیکھی جو بہت پیچے رہ گئی تھی، اور لڑکی سے خا طب ہو کر کہا۔ اس کو

تو شہادت کا رتبہ میں گیا۔

لڑکی نے منہ دوسری طرف موڑ دیا۔

اخلاقی تھوڑی کاروبار کے بعد پھر اس سے مخاطب ہوئے آپ کو اعتراض ہے تو وہ اپس چلا جاتا ہوں۔

لڑکی نے اس کی طرف دیکھا مگر کوئی جواب نہ دیا۔

انارہ کلمی کی ایک ٹھنڈی بیس ٹانگہ اور کام اور وہ لڑکی اُتر کر اخلاقی کی طرف بار بار دیکھتی، نقاب اٹھا کر ایک مکان میں داخل ہرگئی۔ اخلاقی ایک پاؤں سماں تسلی کے پیدل پہ اور دوسرا پاؤں در کان کے تھوڑے سے پر رکھتے تھوڑی دیر کھڑا رہا۔ سماں تسلی چلانے نے ہی والا تھا کہ اس مکان کی پہلی منزل پہ ایک کھڑکی کھلی۔ لڑکی نے جھانک کر اخلاقی کو دیکھا۔ مگر فوراً ہی شرما کی وجہ پر ہٹ گئی۔ اخلاقی تقریباً آدمیاً کھنڈ دہان قھڑا رہا۔ مگر وہ پھر کھڑکی میں نمودار نہ ہوئی۔

دوسرے روز اخلاقی صحیح سویرے انارہ کلمی کی اسی ٹھنڈی بیس ٹانگہ اور چڑھتے دستار ہا۔ کھڑکی بند تھی مایوس ہو کر لوٹنے والا تھا کہ ایک فال سے یہی سے والاصدرا لگاتا آیا۔ کھڑکی کھلی۔ لڑکی سہ سے ننگی نمودار ہوئی۔ اس نے فال سے دالے کوہ آواز دی۔

”بھائی فال سے دالے ذرا تھرنا۔“ پھر اس کی لگتا ہیں ایک دسم اخلاقی پر پڑھیں۔ چوک کر دہ یہی سے ہٹ گئی۔ فال سے دالے نے سرپریز سے چھپڑی اناری اور بیٹھ گیا۔ تھوڑی کاروبار کے بعد وہ لڑکی سر پر ڈوپٹہ سے بچپے آئی۔ اخلاقی کو اس نے

کنکھیوں سے زیجا شرمناگی اور فناسے لئے بغیر وہ اپس پلی گئی۔

اخلاقی کوئی برا بجت پسند آئی۔ تھوڑے اساتر میں سمجھی آیا۔ فنا سے والٹے نے جب اس کو تھوڑے دیکھا تو وہاں سے چلنے یا یہ چلو آج اتنا ہی کافی ہے۔ چند روز ہی میں اخلاقی دس سالہ کی میں اشارے سے شروع ہو گئے۔ ہر روز صبح نو بجے وہ اثمار کھلی کی اس میں پہنچتا۔ کھڑکی کھلکھلتی وہ سلام کرتے وہ جواب دیتی مسکراتی، باختہ کے اشاروں سے کچھ باتیں ہوتیں، اس کے بعد چلی جاتی۔ ایک روز انکھیاں گھما کر اس نے اخلاقی کو بتایا کہ وہ شام کے چھ بجے کے شو میں سخنیا دریکھنے جا رہی ہے، اخلاقی نے اشاروں کے ذریعے سے پوچھا کہون سے سنیا ہاوس میں؟ اس نے جواب میں کچھ اشارے کئے، مگر اخلاقی نہ سمجھا، آخر میں اس نے اشاروں میں آہا۔“ کافی پر لکھ کر مجھے پھینک دو۔“

لڑکی کھڑکی سے ہٹ گئی، چند لمحات کے بعد اس نے ادھر ادھر دیکھ کر کاغذ کی ایک مردوڑی سی نیچے پھینک دی، اخلاقی نے اسے کھولا، لکھا تھا ”پلانر“ پر لگی۔

شام کو ”پلانر“ میں اس کی ملاقات پر وہیں سے ہوئی۔ اس کے ساتھ اس کی سہیلی تھی۔ اخلاقی اس کے ساتھ والی سیدھ پر بیٹھ گیا، فلم شروع ہو ا تو پر وہیں نے نقاب اٹھا لیا۔ اخلاقی سارا وقت اس کو دیکھتا رہا، اس کا دل دھک دھکا کر رتا رہا۔ انہوں سے کچھ بہتے اس نے کہستہ سے اپنا ہاتھ برٹھا اور ان کے ہاتھ پر ہاتھ دھدیا۔ وہ کانپ اٹھی، اخلاقی نے فوراً ہاتھ اٹھا لیا، دند مصل دو اس کو نکلو کھٹی دینا چاہتا تھا، بلکہ خود پہننا چاہتا تھا، جو اس نے اسی روز خرید کی تھی۔

انظر دل ختم ہوا۔ تو اس نے بھرا پناہا تھر بڑھایا اور اس کے ہاتھ پر رکھ دیا وہ کاپی لیکن اخلاق نے ہاتھ نہ ہٹایا، تھوڑی زیر کے بعد اس نے انگوٹھی نکالی اور اس کی ایک انگلی میں چڑھا دی۔ وہ بالکل خاموش رہی اخلاق نے اس کی طرف دیکھا، پیشانی اور ناک پر پسینے کے نتھے نتھے قطر سے خطر تھرا رہتے تھے۔

فلم ختم ہوا تو اخلاق اور پردوئین کی یہ ملاقات بھروسہ ختم ہو گئی۔ باہر نکل کر کوئی بات نہ ہو سکی۔ دونوں سوہنی دیاں ٹانگے میں بیٹھیں۔ اخلاق کو دو صد تمل گئے انہوں نے اس کو روک لیا۔ لیکن وہ بہت خوش تھا اس لئے کہ پردوئین نے اس کا تحفہ قبول کر لیا تھا۔

دوسرے روز مقررہ اوقات پر جب اخلاق پردوئین کے گھر کے پاس پہنچا تو کھڑی کھلی تھی، اخلاق نے سلام کیا، پردوئین نے جواب دیا، اس کے دامنے ہاتھ کی انگلی میں اس کی پہنچانی ہوئی ہوئی انگوٹھی چمک رہی تھی۔

تھوڑی دیر اشارے سے ہوتے رہے اس کے بعد پردوئین نے ادھر ادھر دیکھ کر ایک لفافہ شیچے پھینک دیا۔ اخلاق نے اٹھایا، کھولا تو اس میں ایک خط تھا۔ انگوٹھی کے شکر یہ کا۔

گھر پہنچ کر اخلاق نے ایک طویل جواب لکھا، اپنادل نکال کر کاغذ پر رکھ دیا اس خط کو اس نے پھول دار لفافے میں بند کیا، اس پر سینٹ لگایا اور دوسرے روز صبح فوجے پردوئین کو دکھا کر شیچے لیڈر بس میں ٹال دیا۔

اب ان میں باقاعدہ خط و کتابت ثروت ہو گئی۔ ہر خط عشق و محبت کا ایک دفتر تھا۔ ایک خط اخلاق نے اپنے خوبی سے لکھا۔ جس میں اس نے قسم کھاتی کہ دہ

ہمیشہ اپنی محبت میں ثابت قدم رہے گا۔ اس کے جواب میں خوفی تحریر ہے ہی آئی۔ پھر ورن نے کبھی صلف دکھایا کہ وہ مر جاتے ہیں لیکن اخلاقی کے سوا اور کبھی کبھی شریک حیات نہیں بناتے ہیں۔

ہمینوں گزرے گئے اس دروان میں کبھی کبھی کسمی سنیسا میں درونیں کی ملائی قاسی سے ہو جاتی تھی، مل کر پیٹھنے کا موقع انہیں نہیں ملتا تھا۔ پھر ورن پہ گھر کی طرف سے بہت کڑی پانیزد یا عائد تھیں۔ وہ باہر نکلتی تھی یا تو اپنے بھائی کے ساتھ یا اپنی سوہنی زہرہ کے ساتھ ان در کے ملاؤڑہ اس کو اور کسمی کے ساتھ باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اخلاق نے اسے کئی مرتبہ لکھا کہ زہرہ کے ساتھ وہ کبھی اسے بارہ دری میں یا جہانگیر کے مقبرے میں نہیں، مگر وہ نہ مانی۔ اس کو فور تھا کہ کوئی دیکھو لے گا۔

اس اثناء میں اخلاق سے والدین نے اس کی شادی کی بات چیت پڑی۔ کرداری۔ اخلاقی ملالقارہا جب انہیں نے تنگ آ کر ایک جگہ بات کر دی تو اخلاق بخوبی کامہ ہے۔ یہاں تک کہ اخلاق کو گھر سے نکلنے کر ایک رات اسلامیہ کا لمح کی گردانہ میں سونا پڑا۔ اُدھر پر دیواروں قریبی کھانے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

اخلاق دیکھن کا بہت پکا تھا۔ خند کا بھی پر لے دے جسے کھانا، گھر سے باہر قدم نکلا تو پھر ادھر کارڈ میں کیا، اس کے والد نے اس کو بہت سمجھایا۔ بھائی مگر وہ نہ ماننا، ایک دفتر میں سور و پے مالہوارہ پر ملازمت کر لی اور ایک چھوٹا سا مکان کر لیے پر لے کر رہنے لگا، جس میں نہ تھا۔ بھلی۔

اُدھر پر وہیں اخلاقی کی تکلیفوں کے درکھ میں محکم رہی تھی۔ گھر میں جب اپانک اس کی شادی کی بات چیت شروع ہوئی تو اس پر بھلی سماں گھر رہی۔ اس نے اخلاقی کو لکھا۔ وہ بہت پر لیٹاں ہوا، لیکن پر وہیں کو اس نے تسلی دیا کہ وہ گھر لئے نہیں، ثابت قدم رہے۔ عشق ان کا استھان لے رہا ہے۔

بارہ دن گزر گئے۔ اخلاقی کئی بار گیا ملکہ پر وہیں کھوڑکی میں نظر نہ آئی۔ وہ صبر و قرار کھو بیٹھا، نیند اس کی خاتمہ ہو گئی، اس نے دفتر بنانا چھوڑ دیا۔ زیادہ نافع ہوئے تو اسکو ملازمت سے بطرف کر دیا گیا، اس کو کچھ ہوش نہیں تھا بطرف کا نوٹس میلا تو وہ سیدھا پر وہیں کے مکانی کی طرف چل پڑا، پندرہ دنوں کے طویل مرخصے کے بعد اسے پر وہیں نظر آئی۔ وہ بھی ایک لمحہ سے لئے بجادہ اسے لفاظ پھینک کر وہ چل گئی۔

خط بہت طویل تھا پر وہیں کی غیر حاضری کا باعث یہ تھا کہ اس کا باپ اور اس کو اپنے ساتھ گوچر انداز لے گیا تھا، جہاں اس کی بڑی بھی رہنمی تھی۔ پندرہ دن وہ خون کے آنسو ورقی رہی، اس کا جہیز تیار کیا جا رہا تھا، لیکن اس کو تسویہ ہوتا تھا کہ اس کے لئے رنگ برلنگے کھن بن رہے ہیں۔ خط کے آخر میں یہ لکھا تھا اس کا بخوبی مقرر ہو چکا ہے، میری موت کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے، میں مر جاؤں گی، میں ضرور کچھ کھا کے مراجوں لگی، اس کے سوا اور کوئی کہ استہ مجھے دکھانی نہیں دیتا۔ نہیں نہیں ایک اور راستہ بھی ہے، لیکن میں کیا اتنی ہمت کر سکوں گی، تم بھی لاتھی ہمت کر سکو۔... میں تمہارے پاس چل آکوں گی۔ مجھے تمہارے پاس آنا ہی پڑے گا۔ تم نے میرے لئے گھر بارہ چھوڑا، میں تمہارے لئے یہ گھر نہیں چھوڑ سکتی، جہاں میری

موت کے سوا مایا چور ہے ہیں۔ لیکن میں بیوی بن کر تمہارے سامنے رہنے چاہتی ہوں، تم شاندار کا بندوں بست کر دو میں صرف تین کپڑوں میں آؤ گی۔ زیور وغیرہ سب اثار کو سیاہ پھینک دوں گی۔ جو یہ بجلد کر دو، ہمیشہ تمہاری پردوں میں۔

اخلاقی نے کچھ ترسیچا فروٹ اس کو لکھا۔ میری باہمی تھیں اپنے آنکوش میں لینکے لئے تری پر ہی ہیں، میں تمہاری ہفت و عصمت پر کوئی حرف نہیں آئے دوں گے۔ تم میری کار فیقی حیات بچ کر ہو گئی، زندہ گی بھر میں تمہیں خوش رکھوں گا۔

ایک دو خط اور لکھے گئے اس کے بعد خیے کیا گیا کہ پردوں کا بڑھ کر صبح سوریہ ملک سے نکلنے گی، اخلاقی طالنگ کے کر گلی کے نکٹر پر اس کا انتظار کرے۔

پردو کو منہ اندر میرے اخلاقی ملائکے میں دہاں پہنچ کر پیسی کا انتظار کرنے لگا۔ پندرہ بیس منٹ عزیز گئے۔ اخلاقی کا انتظار بڑھ گیا۔ لیکن وہ آگئی، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی، وہ محلی میں انودار ہوئی ہچلا میں لڑکھڑا ہٹت تھی، جب دشائی میں

اخلاقی کے ساتھ پہنچی تو سرناپ کا نسب رہی تھی، اخلاقی خود بھی کا نپنے لگا تھوڑے تو اخلاقی نے بڑے پیار سے اس کے بر قیعے کی تعاب اٹھاتی

اور کہا: "میری دل بھی کب تک مجھ سے پرداہ کرے گی؟"

پردو نے شرم کر رکھیں جکالیں۔ اس کارنگ زرد تھا جسمہ بھی تک کا

رہتا تھا اخلاقی نے بلاائی ہونٹی کے تل کی طرف دیکھا۔ تو اس کے جھوٹوں میں ایک

بوسہ تڑپنے لگا۔ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں حاصل کر لیں تھے تکڑا کی جگہ کو

چوہا۔ پردو تین نے نہ کی اس کے ہونٹ ملائے۔ دانتوں میں لوٹ خورد نہ تھا۔

سوڑے میں تھے نیلے رنگ کے تھے سر ٹھیے ہوئے، سرلاعما کا ایک بھبھکا اخلاقی کی ناک

میں کھسپھس گیا۔ ایک سو لامختا اُس کو لگا ایک اور بھبھکا پردو تین کے منہ سے نکلا تو

تودہ ایک دم پچھے ہٹ گیا۔

پردوئیں نے حیا آئند آواز میں کھاڑ شادی سے پہلے آپ کو ایسی باتوں کا حق نہیں لیا، ہمچنان۔

یہ کہتے ہوئے اس کے ملے ہونے مسروڑ ہے نایاں ہوتے اخلاق کے نوجوانوں  
حوالی خاتم تھے۔ دماغ میں ہو گیا تھا، دریہ تکارہ دو نور پاس پاس جیسے رہے۔  
اخلاق کو کوئی بات نہیں سمجھتی تھی، پردوئیں کی آنکھیں بھلی جھوٹی تھیں، جب اُس نے  
انکھی کا ناخن کاٹنے کے لئے ہونٹ کھولے تو پھر ان ملے ہوئے مسروڑوں کو ناٹک  
ہوتا، بوکا ایک بھبھکان کلا، اخلاق کو متنلی آنے لگی، "مھا اور" یہی آیا کہہ کر یہ ہر  
ذکل گیا۔ ایک نظر سے پر بیٹھ کر اس نے بہت دیر سوچا، جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو  
لانل پور روانہ ہو گیا، جہاں اس کا ایک دوست رہتا تھا، اخلاق نے سارا دوست  
سنایا تو اُس نے بہت معنی طعن کی لا در اس سے کہا، "تو آؤ اپس جاؤ، کہیں بیچاری  
خود کشی نہ کر لے!"

اخلاق رات کو والپس لا ہوئا آیا، گھر میں داخل ہوا تو پردوئیں موجود نہیں تھیں  
پلٹ پر تکریہ پڑا تھا، اس پر دگوں گولی نشان تھے، ٹیکے!  
اس کے بعد اخلاق کو پردوئیں کہیں نظر نہ آفی۔

ہر جوں صحابہ



# سُجْنَتِ کی دُعا

”آپ بیقین نہیں کریں گے، ملکر یہ واقعہ جو میں آپ کو سُننے والے ہوں، بالکل صحیح ہے۔ یہ کہہ کر شیخ صاحب نے بیڑی سلگھاتی، دو تین زور کے کشہ بے کر اسے پھینک دیا، اور اپنی درست ان سنا نا شروع کی۔ شیخ صاحب کے مزاج سے ہم واقف تھے اس لئے ہم خاموشی سے سنتے رہے، درمیان میں اُن کو کہیں بھی نہ ٹوکا۔ آپ نے واقعہ یوں بیان کرنا شروع کیا۔ گولڈ کی میر سے پاس پنڈھو برس سے تھا، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے..... اس کاروگ سفری مائل بھجو سلا تھا بہت رہی حسین گتا تھا۔ جب میں صحیح اس کے سماں تھے باخ غ کی سیہ کو نکلتا تو لوگ اس کو دیکھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، لارنس ٹھکارڈن کے باہر ہی لے سے کھڑا کر دیتا۔ گولڈ کی کھڑے رہنا یہاں، میں ابھی آقا ہوں۔ یہ کہہ کر میں باخ

کے اندر چلا جاتا، گھووم پھر کیا دھے گھنٹے کے بعد وساپس آتا تو گولڈری دیکھی  
وپر لجھے لمبے کان لٹکائے کھڑا ہوتا۔

اسپینل ذات کے گستاخ عام طور پر بڑے اطاعت گزار اور فرمانبردار  
ہوتے ہیں۔ مگر میرے گولڈری میں یہ صفات بہت سایاں تھیں۔ جب تک  
اس کو اپنے ہاتھ سے کھانا نہ دوں، نہیں کھاتا تھا۔ دوست یا وہ نے میر  
مان ترڑ نہ کئے لئے لا کھوں جتنی کئے۔ مگر گولڈری نے ان کے ہاتھ سے  
ایک دانہ تک نہ کھایا۔

ایک روز اتفاق کی بات ہے، میں لارنس کے باہر اسے چھوڑ کر اندر  
گھیا تو ایک دوست مل گیا۔ گھومنتے کھاستے کافی دیکھو گئی۔ اس کے بعد  
و مجھے اپنی کوہنگی لے گیا۔ مجھے شترنج کھیلنے کا مرض تھا، بازی کی شروع ہوئی تو  
میں دنیا وہ ما فیہا بھول گیا۔ کئی گھنٹے بیت گئے، دفعتاً مجھے گولڈری کا خمال  
آیا، بازی چھوڑ، لارنس کے گیٹ کی طرف بھاگا، گولڈری وہیں اپنے لمبے  
لمبے کان لٹکائے کھڑا تھا، مجھے اس نے عجیب نظر وہ میں دیکھا، میں کہہ رکھنے  
دوست، تم نے آئی اپنا سلوک کیا مجھ سے؟“

میں بے حد نادم ہوا۔ چنانچہ آپ یقین جانیں میں نے شترنج کھیلنا  
چھوڑ دی۔ سعادت کیجئے عا۔ میں اصل واقع کی طرف ابھی تک نہیں آیا۔  
وہ اصل گولڈری کی بات شروع ہوئی تو میں چاہتا ہوں کہ اس کے متعلق مجھے  
جتنی بائیکیں یاد ہیں آپ کو نہیں۔ مجھے اس سے سیدھے محبت تھی، میرے  
محترمہ ہنے کا ایک باعث اس کی محبت بھی تھی، جب میں نے خواری نہ کرنے کا

تہمیہ کیا تو اس سخن خصیٰ کر دیا۔ آپ شاید کہ میں نے خلمس کیا، لیکن میں تہمھا ہوں محبت دیں ہر چیز ردا ہے۔ میں اس کی ذات کے سوا اور کسی سخن روابطہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

کئی بار میں نے سوچا، اگر میں مر گیا تو یہ کسی اور کے پاس چلا جائے گا کبھی دیر پیش کیا موت کا اثر اس پر رجھے گا۔ اس کے بعد مجھے بھول کر اپنے آقا سے محبت کرنے اشر و ش کریم سے گا۔ جب میں یہ سوچتا تو مجھے بہت رکھ رہتا۔ لیکن میں نے یہ تہمیہ کر دیا تھا کہ اگر مجھے اپنی موت کی آمد کا پورا یقین ہو، گیا تو میں گولڈن کوہل اس کے دوں گا۔ سنگھیں بند کر کے اُس سے اُمریٰ کا انشافہ بنادوں گا۔ گولڈن کی بھی ایک لمبے کے لئے مجھ سے جانا نہیں ہوا تھا۔ راست کو ہمیشہ میرے ساتھ سوتا۔ میری تہمازندگی میں وہ ایک روشنی تھی۔ میری بے حد پھیکی زندگی میں اس کا وجود ایک شیرینی تھا۔ اس سے میری غیر معمولی محبت دیکھ کر کئی دوست مذاق اُڑاتے تھے: شیخ صاحب! گولڈن کی کتنا ہوتی تو آپ نے ضرور اس سے شادی کر لی ہوتی۔“

ایسے ہی کئی اور بھی فقرے کئے جاتے۔ لیکن میں مسکرا دیتا۔ گولڈن کی بڑا ذریں تھا۔ اس کے متعلق جب کوئی بات ہوتی تو فوراً اس کے کان کھڑے چو جاتے تھے۔ میرے ہلکے سے ہلکے اشارے کو بھی وہ سمجھ لیتا تھا۔ میرے مودٹ کے سارے اُتار چڑھا دے اُس سے معلوم ہوتے ہیں اُگر کسی وجہ سے رنجیدہ ہوتا تو وہ میرے ساتھ چہل سی شروع کر دیتا مجھے خوش کرنے کے لئے ہر ملکی کو شیش کرتا۔

ابھی اس نے ٹانگ ڈھنگا کر پیشہ اب کرنے انہیں سکھا تھا۔ یعنی ابھی اس کو  
تھا۔ کہ اس نے ایک برتاؤ کو جو کہ خالی تھا۔ تھوڑی تھی بڑھا کر سونگھا۔ میں نے اُسے  
جھٹکا تو دم در باکر وہیں بٹھیا۔ پہلے اس کے چہرے پر حیرت سی پیدا ہوئی تھی  
کہ ہیں یہ مجھ سے سکھا ہو گیا۔ ذیریت تک گردنا نیوڑھاتے بٹھا رہا۔ جیسے نہ امتحان  
سے سمندر میں غرق ہے۔ میں لٹھا۔ لٹھ کر اس کو اپنی گود میں لیا۔ پیارا لپکپکارا۔ بڑی  
دیر کے بعد رجا کر اس کی فرم ہلی۔ بخوبیت ترس آیا کہ میں نے خواہندا اس کو ڈالا  
کیونکہ اس روز رات کو مزید نہ لکھایا۔ وہ بڑا احساس کرتا تھا۔  
میں بہت بے پرواہ آدمی ہوں۔ میری غفلت سے اس کو ایک بار نہ نہیں  
ہو گیا۔ میرے او سان خطا ہو گئے۔ داکڑوں کے پاس دوڑا۔ علاج شروع ہوا۔  
مگر واٹر ندارد۔ متواتر سماتراتیں جاگتا رہا۔ اس کو بہت تکلیف تھی۔ میانس  
بڑی مشکل سے آتا تھا۔ جب سینے میں درد اٹھتا تو وہ میری طرف دیکھتا۔ جیسے  
یہ کہہ رہا ہے وہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔

کئی بار میں نے محسوس کیا کہ صرف میرے آرام کی خاطر اس نے یہ  
ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کی تکلیف کچھ کم ہے وہ آنکھیں میچ لیتا  
تاکہ میں تھوڑی دیر آنکھ رکاوں۔ آنکھیں رونہ خدا کے اس کا بخار ملکا ہوا  
اور آہستہ آہستہ اتر گیا۔ میں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو مجھے  
ایک تتمیکی تھکی سی مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں تیرتی نظر آئی۔

خوبی کے ظالم جملے کے بعد دیر تک اس کو نقاہت رہی۔ لیکن  
حالت دیواروں نے اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ ایک لمبی غیر حاضری کے بعد

لوگوں نے مجھے اس کے ساتھ دیکھا تو طرح طرح کے سوال کرنے شروع کئے۔

”عاشق و معشوق کہاں غائب تھا تینے دنوں۔“

”آپس میں کہیں رہا فی تو نہیں ہو گئی تھی۔“

”کسی اور سے تو نظر نہیں رکھی تھی گولڈی کی۔“

میں خاموش رہا۔ گولڈی پہ بات سنت تو ایک لفڑی میری طرف دیکھ کر خاموش ہو جاتا۔ مجھوں نکلنے والے کو تو۔

وہ مثل مشہور ہے کہ انہم جنس باہم جنس پر وہ از کبر تر بالکل تو بازار۔ یعنی گولڈی کو ہم اپنے ہم جنسوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ احمدی دنیا صرف میری ذات تھی۔ اس سے باہر وہ کبھی نکلتا تھا نہیں تھا۔

گولڈی میرے پاس نہیں تھا جب ایک دوست نے مجھے اخبار پڑھ کر سنایا۔ اس میں ایک دو اتفاق کا دھرا تھا۔ آپ سنتے ہیں۔ ایک پہاڑ از گلستان مجھے یاد نہیں کوہا، ایک شخص کے پاس رُتہ تھا۔ معلوم نہیں کس ذات کا اس شخص کا آپ پہنچن ہونا تھا۔ اس کو ہسپتال نہ گئے تو کہتا بھی سماں تھا ہو رہا۔ اسٹریچر پر ڈال کر اس کو آپ پہنچانے والے میں سے جانے لگے تو سمجھتے نے ”روجانا چاہا۔ مالک نے اس کو روکا اور کہا، باہر کھڑے رہ جو۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ کتنا حکم سن کر باہر کھڑا ہو گیا۔ اندر مالک کا آپ پہنچنے والے فاکس ثابت ہوا اس کی لاش دوسرے درود اذے سے بہر لکا دی گئی۔ کتابارہ برس تک وہیں کھڑا اپنے مالک کا انتظام کرتا رہا۔ پیشاب، پافانے کے لئے کچھ دریہ وہاں سے چھٹتا۔ پھر وہیں کھڑا ہو جاتا۔ آخر ایک روز مولٹری لپیٹ میں آگیا

اور بُری طرح نہیں ہوا۔ مگر اس حالت میں بھومن وہ خود کو گھصیلتا ہوا وہاں پہنچا جہاں اس کے مالک نے اُس سے انتظار کرنے کے لئے کہا تھا۔ آغوشی سانس اس نے اسی جگہ لیا۔ یہ بھی لکھا تھا۔ کہ ہبھتال والوں نے اُس کی لاش میں بھوس بھبکے اس کو وہ ہیں رکھدے یا ہے جیسے وہاب بھی اپنے آقا کے انتظار میں کھڑاتے ہیں اسے یہ داستانِ سُنی تو مجھ پر کوئی خاص شر نہ ہوا۔ اول تو مجھے اس کی صحت ہی کا یقین نہ آیا۔ لیکن جب گولڈی میرے پاس آیا تو مجھے اس کی صفات کا عالم ہوا تو بہت بڑے سوری کے بعد میں تے یہ داستانِ سُنی دوستوں کو سنائی۔ سناتے وقت مجھ پر ایک رقت طاری ہو جاتی تھی، اور میں سوچنے لگتا تھا؟ میرے گولڈی سے بھی کوئی آیسا کار نامہ وابستہ ہونا چاہئے۔ گولڈی کی معنوی تہمتی نہیں ہے۔

گولڈی بہت متین اور سنجیدہ تھا۔ بچپن میں اس نے تھوڑی شرارٹیں کیں۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ مجھ پسند نہیں تو ان کو ترک کر دیا۔ آہستہ آہستہ سنجیدگی اخنیار کو لی جوتا دم مرگ قائم رہی۔

میں نے تادم مرگ کہلائے تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے ہوئے۔ شیخ صاحب رُک گئے ان کی آنکھیں نہ آسودہ ہو گئی تھیں۔ ہم فاموش رہے تھوڑے سے غرستے کے بعد انہوں نے دو ماں نکال کر آنسو پر پہنچے اور کہنا شروع کیا۔

"یہ بیکی زیادتی ہے کہ میں زندہ ہوں۔۔۔ لیکن شاید اس لئے نہ ہوں گے انسان ہوں۔۔۔ مربا تاتر مٹا یہ گولڈی کی تو ہیں ہوئے۔۔۔ جب وہا تو وہ دکھ دکھ رکھا۔۔۔ لیکن وہ مرا نہیں تھا۔۔۔ میں نے اس کو مردار یا تھا۔۔۔"

اس نہیں کہ مجھے اپنی موت کی آمد کا تقبیح ہو گیا تھا۔ وہ پاگل ہو گیا تھا۔  
 ایسا پاگل نہیں جیسا کہ عام پاگل نئے ہوتے ہیں۔ اس کے مرض کا کچھ پتہ چیز  
 چلتا تھا۔ اس کو سخت تکلیف تھی۔ جانکرنی کا سذھا کرنا اس پر طاری تھا۔ اکثر وہ  
 نہ کہا۔ اس کا واحد علاج یہ تھی ہے کہ اس کو مرداروں۔ میں نے پہلے سوچا نہیں۔  
 لیکن وہ جس اندیخت میں اگر فتار تھا مجھ سے درکھی نہیں جاتی تھی۔ میں مانگیا وہ  
 اُسے ایک کمرے میں لے گئے جہاں بیر قبضہ کا پہنچا کر ہلاک کرنے والی  
 مشین تھی۔ میں ابھی اپنے خیف دماغ میں اپھی طرح کچھ سوچ بھی نہ سکتا تھا  
 کہ وہ اس کی لاش لے آئے میرے گولڈ کی لاش۔ جب میں نے اسے اپنے  
 باروں میں اٹھایا تو میرے آنسو پڑ پڑا اس کے سفرے بالوں پر گئے  
 لگے جو پہلے کبھی گرد آئوں نہیں ہوئے تھے۔ ہانگے میں اسے گھر لایا۔ دریا کے  
 اس کو دریکھا کیا۔ پندرہ سال کی رفتاقت کی لاش میرے بستر پر پڑی تھی۔ قربانی  
 کا نسمہ نوٹ گیا تھا۔ میں نے اس کو نہ لایا۔ کھن پہنایا۔ بہت دیر تک سوچتا رہا  
 کہ اب کیا کروں۔ زمین میں دفن کروں یا جلا روں۔

زمین میں دفن کرتا تو اس کی موت کا ایک نشان رہ جاتا۔ یہ مجھے پسند  
 نہیں تھا۔ معلوم نہیں کیوں، یہ بھی معلوم نہیں کہ میں نے کیوں اس کی مزق دیا  
 کرنا چا۔ میں نے اس کے متعلق اب بھی کہتی بار سوچا ہے مگر مجھے کوئی جواب  
 نہیں مل۔ خیر میں نے ایک نئی بوڑی میں اس کی کفناہ ہوئی لاش ڈالی۔ دھو دھا  
 کر ہے اس میں ڈالے اندھرے پاکی طرف روانہ ہو گیا۔

جب بیٹھی دریا کے دہ میان میں پہنچی اور میں نے بوڑی کی طرف دیکھا

تو گولڈری سے پندرہ برس کی رفتاقت و محبت ایک بہت ہی تیز ملخی جن کر  
میرے حلقے میں اٹھ کر گئی۔ میں نے اب زیادہ دریکر نامناسب نہ سمجھا۔ کانپتے  
ہوئے ہاتھیوں سے بوری اٹھائی اور دریا میں پھینک دی۔ بہتے ہوئے پافی  
کی چادر پر کچھ بلجیے ا لکھے اور ہوا میں حل ہو گئے۔

بیڑی واپس ساحل پر آئی۔ میں اُتر کر دریہ تک اسے دیکھتا رہا۔ جہاں  
میں نے گولڈری کو غرق آب کیا تھا۔ شام ملوحد صلکا چھایا ہوا تھا۔ ہافی بیڑی  
خاموشی سے بھر رہا تھا۔ جیسے وہ گولڈری کو انپر گود میں سلا رہا ہے۔

یہ کہہ کر شیخ صاحب خاموش ہو گئے۔ چند لمحات کے بعد ہم میں سے ایک  
نے ان سے پڑھا۔ لیکن شیخ صاحب آپ تو فاص واقعہ سنانے والے تھے؟  
شیخ صاحب چونکے۔ اوه۔ معاف کیجئے مگا۔ میں اپنی رو میں مجاز  
کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ۔ میں ابھی عرض کرتا ہوں۔ پندرہ  
برس ہو گئے تھے ہمارے کی رفتاقت کو۔ اس دو ران میں کبھی بیمار نہیں ہوا تھا۔

میری صحت ماشا راللہ بہت اپھی تھی، لیکن جس دن میں نے الحضار شکنی حسوس  
کی پندرہ حصوں سالگرہ منا فی۔ اس کے دوسرے دن میں نے الحضار شکنی حسوس  
کی، شام کو یہ اعضاء شکنی تیز بخار میں تبدیل ہو گئی۔ رات سخت بے چیند رہا۔  
گولڈری جا گتار رہا۔ ایک آنکھ بند کر کے دوسری آنکھ سے مجھے دیکھتا رہا۔  
پنگ پرہ سے اتر کرہ شیخے جاتا، پھر آ کر بدیکھ جاتا۔

زیادہ عمر ہو جانے کے باعث اس کی بینا فی اور سماحت کمزور ہو گئی تھی  
لیکن ذرا سی آہٹ ہوتی تو وہ چونک پڑتا اور اپنی دستہ ایکھوں سے میری

طرف دیکھتا اور جیسے یہ پوچھتا ہے یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

اس کو حیرت لھی کہ میں اتنی دیر تک پلنگ پر کمپوں پڑا ہوں لیکن وہ جلد ہی ساری بات سمجھ گیا۔ جب مجھے بستر پر لیٹئے کہیں دن گذر گئے تو اس کے سال خوب رہ چکرے پر افسردگی چھا گئی۔ میں اس کو اپنے ہاتھ سے کھلا دیا کرتا تھا۔ بیماری کے آغاز میں تو میں اس کو کھانا دیتا رہا۔ جب نقاہت بریح گئی تو میں نے ایک دوست سے کہا کہ وہ صبح شام گولڈی کو کھانا کھانے آ جایا کرے۔ وہ آثار ہا ملکر گولڈی نے پلیٹ کی طرف منہ نہ کیا۔ میں نے بہت کہا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ ایک مجھے دنپنے مرض کی تکلیف لھی جو دوسرے نے نہیں ہیں آتا تھا۔ دوسرے مجھے گولڈی کی فکر لھی، جس نے کھانا پینا بالکل بند کر دے یا تھا۔

اب اس نے پلنگ پر بیٹھنا۔ یعنیا بھی چھوڑ دیا۔ سامنے دیوار کے پاس سارا دن اور ساری رات خاموش بیٹھا اپنی دھنڈلی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہتا۔ اس سے مجھے اور بھی دکھ ہوا۔ وہ کبھی ننگی زمین پر نہیں بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے بہت کہا۔ لیکن وہ نہ مانا۔

وہ بہت زیادہ خاموش ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ غم و انزوہ میں عرق ہے بھی کہی اٹھ کر پلنگ کے پاس آتا۔ مجید حضرت بھر، نظروں سے میری طرف دیکھتا اور گزرن بھکا کر داپس دیوار کے پاس چلا جاتا۔

ایک رات یہ پر کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ گولڈی کی دھنڈلی

آنکھوں میں آنسو چمک رہے ہیں اس کے چہرے سے حنزاں و مالا مال برس رہا تھا۔ مجھے بہت دُکھ پہنچا۔ میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بلا بیا۔ لمبے لمبے سنہرے کان ہلاتا وہ میرے پاس آیا۔ میں نے بڑے پیارے سے کہا۔ ”گولڈری میں اچھا ہو جاؤں چا۔ تم دعماں لگو۔ تمہاری دعا ضرور قبول ہوگی؛ یہ سب کہ اس نے بڑی ادا اس آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ پھر سراں لٹھا کر گھٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے دعماں گارہ رہا ہے۔ کچھ دیر وہ اس طرح کھڑا رہا۔ میرے جسم پر جھوپھری سی طارہ کی ہو گئی۔ ایک عجیب و غریب تصور پر میر کی آنکھوں کے سامنے کھی۔ گولڈری سچ پچ دعماں گارہ رہا تھا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں وہ سہ تاپا دعا تھا۔ میں کہنا نہیں چاہتا۔ لیکن اس وقت میں نے محسوس کیا کہ اس کی روح خدا کے حضور میں پہنچ کر گئی ہو گئی رہی۔

میں چند ہی دنوں میں اچھا ہو گیا۔ لیکن گولڈری کی حالتغیر ہو گئی۔ جب تک میں بستر پر رہا۔ وہ آنکھیں بند کئے دیوار کے ساتھ خاموش بیٹھا رہا۔ میں بلنے چلیز کے قابل ہوا تو میں نے اس کو کھلانے پلانے کی کوشش کی ملکیتے سووڑ۔ اس کو اب کسی شے سے دھپسی نہیں تھی۔ دعماں لگنے کے بعد جیسے اس کی ساری طاقت زائل ہو گئی تھی۔

میں اس سے کہتا، میری طرف دیکھو گولڈری۔ میں اچھا ہو گیا ہوں۔ خدا نے تمہاری دعا قبول کر لی ہے۔ لیکن وہ آنکھیں نہ کھولتا میں نے دو تین درفعہ ڈاکٹر بلا یا اس نے انجکشن لگاتے پر کچھ نہ ہوا۔ ایک دن میں ڈاکٹر لے کر آیا تو اس کا دماغ چل چکا تھا۔

بی اٹھا کر اسے بڑے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ اور اس کو برقی ضرب سے ہلاک کر دیا۔

مچے معلوم نہیں با برادر ہمایوں نہ الائقۃ کہاں تک صحیح ہے۔  
— لیکن یہ واقعہ حرف بہ حرف درست ہے۔

۶ جون ۱۹۵۷ء



پنج

کشپر کی گئیٹ نہ ہلی کے ایک فلمیٹ میں انور کی ملاقات پر دنیز سے ہوئی۔ وہ قطعاً متاثر نہ ہوا۔ پر دنیز نہایت ہمی بے جان چیز تھی۔ انور نے جب اس کی طرف دیکھا اور اس کو آداب عرض کیا توہ اس نے سوچا۔ یہ کیا ہے، حیرت ہے یا مولی۔

انور سے ہاتھ ملا کر پرویز اپنے تنقیت سے کتنے کو گودیں لے کر کہ سی پرنٹیج گئی۔ اس کے سفر خی لگے ہو نہیں پر جو اس کے سفید ٹھنڈے سے چھرے پر ایک دلکشتا ہوا انگارہ ساختے تھے ضعیف سی مسکراہدھی پریسا ہوئی۔ کتنے کے بالوں میں اپنی لمبی لمبی انگلیوں سے سکنگھی کیتے ہوئے اس نے دیوار کے ساتھ شکر ہوئی انور کے دوست جمیل کی تصویر کی دیکھتے ہوئے کہا: "آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

انور کو اس کے ساتھ ملا کر قطعاً خوشی نہیں ہوئی تھی۔ رنج بھی نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ سوچتا تو یقینی طور پر اپنے صحیح رد عمل کا بیان نہ کر سکتا۔ حوصل پرویز سے مل کر وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ وہ ایک لڑکے سے ملا ہے یا اس کی ملاقات کسی لڑکے سے ہوئی ہے۔ یا اس دیوانی کر کر کے پیچ دیکھتے ہوئے اس نے ایک موی خردی کی ہے۔

انور نے اس کی طرف عندر سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں خوبصورت تھیں بس ایک صرف یہی چیز تھی۔ جس کے متعلق تعریفی الفاظ میں کچھ کہا جا سکتا تھا جس ایک صرف یہی چیز تھی۔ جس کے متعلق تعریفی الفاظ میں کچھ کہا جا سکتی تھی۔ ان آنکھیں کے علاوہ پرویز کے جسم کے ہر حصہ پر نکتہ چینی ہو سکتی تھی۔ باہم بہت پتلی تھیں۔ جو چھپتی آستینوں والی قصصی میں سے بہت ہمایخ آلوہ انداز میں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ اگر اس کے سر پر سبز روپہ نہ ہوتا تو انور نے یقیناً اس کو فرمائی تھی سمجھا ہوتا۔ جس کارنگ عالم اُطہر پر امکنہ تاریخی دالا سفید ہوتا ہے۔

اس کے ہونٹوں پر جیتے جیتے ہو جیسی سفری بہت سُتمل رہی تھی۔

برف کے ساتھ آگ کا کیا جوڑا۔ اس کی چپوری آستینوں والی تیص سفید کی بڑی  
کی تھی۔ چندوار سفید لٹھی کی تھی۔ سینڈل بھی سفید تھے۔ اس تمام سفید کی پر  
اس کا صبزہ ڈپٹہ انتقالاب انگیز نہیں تھا مگر اس کے سرخی گئے ہوئے ہو کر  
جمیب حماہنگا مرغیز تضاد پر کے اسی کے چہرے کے ساتھ چٹے ہوئے تھے۔  
صحن میں جب وہ چند قدم پل کر جیل کی طرف اپنے شنبے سے کتے کو  
رکھتی ہوئی بڑھی توانی نے مخصوص کیا تھا کہ یہ خودت جو کہ آرہی ہے ہمیں نہیں چہے۔  
ترکاری ہے، ابھی سے ہاتھ ملاتے وقت اُسے ایسا معلوم ہوا تھا۔ جیسے  
اس کا ہاتھ کسی لاٹھی نے پکڑ لیا ہے۔ مگر جب اس نے باشیں شروع کیں تو وہ  
ٹھنڈی اگرفت جو اس کے ہاتھ کے ساتھ پھٹی ہوئی تھی کچھ کرم ہوئے لگھ  
وہ آوارہ خیال تھی۔ اس کی ہائیں سبب کی وجہ بے جوڑ تھیں۔ بوسکم کا  
ذکر کرتے کرتے وہ اپنے درزی کے طرف لوٹ گئی۔ دیزی کی بات ابھی  
اویس کی ہی تھی کہ اس کو اپنے کتنے کی چیزوں کا خیال آگیا۔ کتنے نے چینکا  
تو اس نے اپنے خارون کے متعلق یہ کہتا شروع کر دیا۔ وہ بالکل میراغیال  
نہیں رکھتے، ایک بھتی تک دفتر سے منہیں آجئے۔

اور کے لئے پروریز اور اس کا خارون کو دوڑ رہتے تھے، وہ پروریز کو  
جانتا تھا، نہ اس کے خارون کو گفتگو کے دراثت میں صرف اس کو اس قدر معلوم  
ہوا کہ پروریز کا خارون جیسا کاپڑے سکی پھر اسکے پورے طبع اپنے طبع کا کام کر رہا  
ہے۔ البتہ اس نے یہ ضرور محسوس کیا کہ پروریز گفتگو کے ۳ غاز سے گفتگو  
کے اختتام تک اس کو ایسی نظریں سے دیکھتی تھی، جو میں منسی بلاد کا تھا انہوں

کو حیرت تھی کہ انکیسٹھنڈ کی موئی میں یہ بجا وار کیسے ہو سکتا ہے۔

جو اللہ کر جانے مگل تو اُس نے جو دس سے اپنے تنقیت کرنے کر اُتا را اور اس سے کہا۔ چلی ٹھنی جلیں یہ پھر مصخر جمیل سے جیگر دوں کے باز سے میں پکھ ہو چکر کر اپنے سُرخ ہونٹوں پر جسد رکھی مسکرا ہے پیدا کر کے انور کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس نے کہا۔ ”میرے نہ بندے ہے مل کر آپ کو بہت خوش ہو گا ایک بار پھر انہوں نے فرجوں پر میں اپنا ہاتھ زدا اور صور چلتے مجھے اس کے نہ بندے ہے مل کر کیا خوشی ہو گی۔ جب کہ یہ ٹھوڑا اس سے ناخوش ہے۔“  
اس نے کہا تھا کہ وہ میرا بالکل خداں نہیں رکھتے۔“

دیرینگ وہ جمیل اور اس کی بیوی سے باتیں کرتا۔ ہا کہ شاید ایک دن کو فی پروردہ زیر کے متعلق بات کر سے گا۔ اور اس کو اس محیرت کے باز سے میں کچھ معلومات حاصل ہوں گی، جس کو اس نے ٹھنڈ کی موئی سمجھا تھا۔  
ملکر کو فی اسی بات نہ ہوئی جو پروردہ کی شخصیت پر وہ سمجھی ڈالتی۔ جیگر دوں کا ذکر آیا تو مصخر جمیل نے صرف اتفاق کہا۔ پر کی کامیابی ملے زنگوں کے بدلے میں بہت اچھا ہے۔“

”پروردہ۔ پر کیا۔“ انور نے سوچا۔ کتنی نلط تخفیف ہے یہ خستہ سی ربوح کی بڑی والی صورت جس کا زنگ اُکتا دینے والی حد تک سفید ہے۔  
”س کو پر کی کہا ہے کیا یہ کوہ قاف کی تو ہی نہیں؟“

جب پروردہ کے متعلق اور کوئی بات نہ ہوئی تو انور نے جمیل سے خستہ چاہی۔ اچھا بھائی میں چلتا ہوں یہ پھر وہ مصخر جمیل سے مخاطب ہوا۔

”بھابی آپ کی پری بڑی دلچسپی پذیر ہے“  
مسنٹ جبل مسکراہی ہے کیوں؟“

انور نے یونہی کہہ دیا تھا۔ مسنٹ جبل نے کیوں کہا تو اس نے کوئی جواب  
نہ سمجھا۔ تھوڑے سے سے تو قلب کے بعد وہ مسکرا یا کیا آپ کے نزدیک  
وہ دلچسپ نہیں ہے۔ کیون ہیں یہ محترمہ؟“

مسنٹ جبل نے کوئی جواب نہ دیا۔ جبل نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے  
نظریں جھکاییں۔ جبل مسکرا کر اٹھا اور انور کے کاندر چھے کو دیا اور اس نے  
گلک کر کہا۔ چلو تمہیں بتاتا ہوں کوئی ہیں یہ محترمہ؟۔ پڑی دو جب تنظیم  
ہستیا ہیں؟

”آپ کو تو سب کوئی موقع ملتا چاہتے ہیں مسنٹ جبل کے لیے میں  
جنہملا ہوت تھی۔“

جبل نہ صایہ کیا ہے ایسا نعلٹ کہتا ہوں کہ پری دا جب تنظیم ہستیا ہیں؟“  
”میں نہیں جانتی یہ کہہ کر مسنٹ جبل اٹھی اور اندر کھرے میں پلی آئی  
جبل نے بھر اندر کا کندہ دھا دیا اور اس سے مسکراتے ہوئے کہا۔ بیٹھ جاؤ تھلکا  
بھابی نے ہمیں پری کے متعلق باتیں کرنے کا موقع دیدیا ہے؟“  
”انور بیٹھ گیا جبل نے سکریٹ سلکا دیا اور اس سے پوچھا۔ تمہیں پری  
میں کیا دلچسپی تظری؟“

انور نے کچھ دیراپنے دماغ کو کوڑا دلچسپی۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا  
میں خیال ہے اس کا غیر دلچسپ ہوتا ہی دلچسپی کا باعث ہے۔“

جمیل نے پیشکار بجا کر سگریٹ کی راکھ جھادی ۔۔ لفظوں کا اُٹ  
پھیرنے والے حصے کا سراف صاف صاف بتاؤ تمہیں اس میں کمیاد بھی پہنچ نظر آئی ۔۔  
انور کو یہ جو رجسٹرنر آئی ۔۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا یہ، نے کہہ دیا ہے یہ  
جمیل نہ سماز پھر ایک دم سنگھیرہ ہو کر اس نے سامنے کجھے کی طرف  
دیکھا اور دبی زبان میں کہا ۔۔ بڑی خطرناک محشرت تھے انور کے

انور نے حیرت میں پوچھا ۔۔ کیا مطلب ؟۔۔

”مطلب یہ کہ خنزہ دو آدمیوں کا خون کرائیکی ہے ۔۔

انور کی آنکھوں کے سماں میڈپریز کا سفید رنگ آٹھا۔ مسلکر اکر  
کہنے لگا ۔۔ اس کے باوجود ابھو کی ایک اچھی بھی نہیں اس میں یہ  
لیکر فوراً پی اس کو معاشرے کی سنگینی کا خیال آیا تو اس نے سنجدہ ہو کر  
جیکی سے پوچھا ۔۔ کیا کہا تم نے ？۔۔ دو آدمیوں کا خون ？۔۔

انور نے پیشکار بجا کر سگریٹ کی راکھ جھادی ۔۔ جی ہاں ۔۔ ایک کیلہ پر پھٹا  
دوسرا اصر بھاول اور ہیں کا لڑکا ۔۔

”کیون سر بھاول الدین ？۔۔

”ہمارا وہی ۔۔ جو ایکر سلکھر لے دیتا رکھنے میں خدا معلوم کیا تھے ۔۔  
انور کو کچھ پتہ نہ پلا بھاول الدین کو چھوڑ کر اس نے جیل سے پچھا ۔۔

”کیسے خون ہوا اس دلوڑ کا ？۔۔

”جیسے ہوا کرتا ہے ۔۔ کامیں کلپن صاحب سے پر تی کا ہاں تھا۔ شلوٹ  
کسکے جب وہ بھی گئی تو دہاں سر بھاول الدین کے لڑکے سے راہ وہ سم پیدا ہو گئی۔

اتفاق سے ٹریننگ کے سلسلے میں کپتان صاحب وہاں پہنچے۔ پہنچانے تعلقات قائم کرنا پاہا ہے تو سر بھا و اندر میں کے لڑکے کے آڑ آئتے ایک پارٹی میں دو نوں کی پیچا جوئی۔ دوسرا سے روز کپتان صاحب نے پستول دار غولیہ رقیب دہیں دھیر پہنچائے۔ پر کی کو بہت افسوس ہوا بھاؤ اندر میں کے لڑکے کی موت کے خلم میں اس نے کھیادن سوک میں کائے جبکہ کپتان صاحب کو پھانسی جوئی تو لوگ کہتے ہیں اسی کی آنکھیں فندہ ہزار پا آنسو بہلستے۔ اس کے بعد ایک نوجوان ہارگی اس کے دام محبت میں اگر فداز ہو گیا۔ وصلی کی رات جب اُب سے پتہ چلا کہ اس کی محبوہ شلذی شدید ہے تو اس نے اپنے بارپی کی دلپتی سے زہر لے کر کھالیا۔

انور نے کہا۔ ”یہ تو میں خوبی ہوئے۔“

جیل میں سکرا یا نوجوان پارسی خیش قسمت تھا اس کے بارہے اُسے خود کے منزے سے بچا لیا۔

”بڑی بھی دغدھی دغدھی خوردت ہے۔ یہ کہہ کر انور سوچنے لگا کہ پردہ نہ جس میں کشش نام کو لہی نہیں کیسے اخی ہنگلا مون کا باعث ہوئی۔ کپتان نے اس میں کھا دیکھا۔ سر بھاؤ اندر میں کے لڑکے کو اس میں کیا پیز نظر آئی۔“  
— اور اس نوجوان کا رسم اس دھیلی دھلامی خوردت میں کھا دل کشی دیکھ دیا۔

انور نے پردہ نیز کو قصودہ میں نشکا کر کے دیکھا۔ دھیلی دھلامی پردہ یور کا ایک دھماکہ جس پر سفید سفید گوشہ میں منڈھا ہوا تھا، ان دون کے بغیر کوہ لہے دُبیلے پتھے، لڑکے کے کو ہوں جیسے تھے اور پردہ کی پردہ میں کوئی دم نہیں تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ الگ اس کے صریحہ ہاتھ رکھ کر کسی نے دیا بار یا تو وہ روشن  
ہو جائے گی، بالکل چونتے چھٹے جو بہترین طور پر اوس کا استعمال  
ہے زباناً قادر ترین لمحہ چکے تھے۔ کیا تھا اس کے صراحتاً میں؟۔ ایک فقط اس کی  
آنکھیں غلظت میں تھیں۔

انور نے سوچا۔ حرف آنکھیں کوئی ماضتا پھرنا ہے کوئی بات ہوئی  
چاہئے۔ لیکن حیرت ہے کہ اس شخص کی مولیٰ نے اتنے بڑے ہنگامے پریدا  
کیتے۔ مجھ سے تو جب اس نے ہاتھ ملا یا تھا تو میں نے خیال کیا تھا کہ مجھے بیویوں  
ڈکاریں آفی شروع ہو جائیں گی۔ کچھ سمجھو میں نہیں آتا بلکن کچھ نہ کچھ ہے ضرور  
اس پر کی میں۔

جمیل نے اُسے بتلایا کہ رادیو بند کی میں پر دنیز کے کالج کے رومانس مشہور ہے  
اس زمانے میں اس کے بیک وقت ہمیں چار چار بڑے کوں سے رومانس چلتے تھے چھ  
لڑکے اسی کے باعث کالج بدرہ ہوتے، ایک کوہیمار ہو کر سینے ٹوڑیم ہیں اور انہیں ہونڈ پڑے  
انور کی حیرت بڑھتی گئی۔ اس نے جمیل سے پوچھا: ”کون ہے اس کا خداوند  
اوہ شوہر کس کی لڑکی ہے؟“

جمیل نے جواب دیا: ”بہت بڑے بابکی۔ کسی زمانے میں احمد آباد  
ہائی کورٹ کے حیف جسٹس تھے۔ آج کل ریٹائرڈ ہیں۔ خادونہ اس کا ہندو ہے۔“

”ہندو؟“

”نہیں اب ملیساں ہو چکا ہے۔“

”کیا کرتا ہے؟“

”بیر اخیال ہے کہ مُشروع میں اس کا ذکر آیا تھا۔ کہ اس پورٹ اپورٹ کا کام نہ تا ہے۔“

انور کی بیاد آ جیتا۔ ہاں، ہاں، کچھ اسی بات ہوئی تھی۔ شاید بھائی جن نے بتا یا تھا۔“

جمیل اور انور تھوڑی دیر مہاموش رہے۔ جمیل نے سگر بیٹ سلاکا یا اوند ادھر اور عذر دیکھو کر اس کی بیوی کی خدمت رہی ہو۔ اللہ کا اندھار باکر سرگوشی میں کہا۔ ”تم پری سے ضرر ملے۔ دیکھنا کیا ہوتا ہے جو؟“

انور نے خود سے پوچھا مگر جمیل سے کہا۔ ”کیا ہو گا؟“

جمیل کے چونٹوں پر ایک شرپر سی سکرا ہٹے پیدا ہوئے۔ وہی ہو گا جو منظورِ خدا ہو گا۔ پھر اس نے آواز دبا کر کہا۔ کل شام چاہئے میں پیسے اس کا خارجہ نہیں کرو آتا ہے۔“

پردہ کام طے ہو گیا۔ پرونز کے متعلق اتنی باتیں سمجھ رہیں کے دناغ میں کھڑی بدھی ہو رہی تھی، وہ بار بار سوچتا تھا۔ ملاقات پر کیا ہو گا۔ کوئی غیر معمولی تجز و قوع پڑے پر ہو گی۔ ہو سکتا ہے جمیل نے مذاق کیا ہو۔ ہو سکتا ہے جمیل نے جو کچھ سمجھی اس کے بارے میں کہا ستر تاپا غلط ہو۔ لیکن پھر اسے خیال آتا۔ جمیل کو خواہ حفڑہ جھوٹ کی کیا ضرورت تھی۔

دوسرے روز شام کو جمیل اور وہ دونوں پری کے ہاں چلتے دھڑکنے میں نہاری تھی۔ نوکر نے ان کو بیٹے سے کھرے میں بٹھا دیا۔ انور ووٹ کی ندق گردانی کرنے لگا دنہ میں جمیل اٹھا۔ میں سگر بیٹ بھول آیا۔ البتہ آتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

انور دوگھ میں بھی ہبھی ایک تصویر دیکھ رہا تھا کہ اسے کمرے میں  
کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوا۔ نظر میں لکھا کر اس نے دیکھا تو پورے تھی۔  
انور سوٹے پڑا گیا اس نے سفید پاجامہ پہننا ہوا تھا جو جا بجا گیلا تھا۔ ملماں کا ترہ  
اس کے پانی سے تربدن کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ مسلسل اک اس نے انور سے کھرا۔  
اپ پڑے انبہاں سے تصویر دیکھ رہتے تھے۔

پرچہ چھوڑ کر انور رکھا۔ اسی نے کچھ کھنا چاہا۔ مگر پرورنگ اس کے پاؤں  
آگئی۔ پرچہ اٹھا کر اس نے ایک پاتھ سے اپنے کٹے ہوئے بالوں کو ایک طرف  
کیا۔ اور سکر الکر کیا۔ مجھے معلوم ہے کہ اپ آتے ہیں تو یہ ایسے ہی باپلی آتی ہے۔  
یہ کہہ کر اس نے اپنے ملتمل کے گیلے کر کر دیکھا۔ جب میں روکا لے دھستے  
صادف رکھا تھی دے دے رہتے تھے۔ پھر اس نے اسے انور کا رہا تھا پکڑا۔ چلتے  
اندر پلیں ہے۔

انور منہنا پا۔ جمیل۔ جمیل بھی ساتھ تھا میرے۔ ملگر بیٹھ جوں آیا  
تھا۔ کہنے کو پڑے ہے۔

پرورنگ نے انور کو کھینچا ہے وہ آجائے گا۔ چلتے۔  
انور کو مانا ہجھڑا۔ جسی کمرے میں وہ داخل ہوئے اسیں بھی کسی  
نہیں تھی۔ دو اسپرنس وائے ساگولنی پنگ تھے، ایک ڈریسک ٹیبل تھی اسکے  
ساتھ ایک اسٹول پڑا تھا، پر کی اس اسٹول پر بیٹھ چکی اور ایک پنگ کی  
طرف اشارہ کر کے انور سے کہا۔ بیٹھتے ہے۔

انور ہچکپاتے ہوئے بیٹھ گیا۔ ان نے چاہا کہ جمیل آجائے کیونکہ اسے  
بے حد اُبھن ہر رہی تھی۔ پر ویز کے گینے کرتے کے ساتھ پیشے ہوتے دیکھا لے  
وہ سب سے اس کو دواندھی آٹکھیں لگتے تھے جو اس کے سینے کو کھو رکھو کر دیکھ رہا  
ہیں۔ انور نے اُبھ کر جانا چاہا۔ میرا خیال ہے میں جمیل کو بلا قوی مدد و رہ  
اسی کے ساتھ پیٹک پر بیٹھ گئی۔ فریڈنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے فریڈ کی طرف  
اشارہ کر کے اس نے انور سے کہا " یہ میر سے ہندہ بننا ہیں۔ بہت فنا لسم آدمی  
چہ جیسا صفاتی ہے؟"

"نور مہمنا پا یہ آپ مناقص کر قی ہیں ॥

"جی نہیں۔ میر سے اور اس کے مزاج میں نہ میں و آسمان کافروں ہے۔  
اصل میں شادی سے پہلے مجھے دیکھ لینا اما ہستے تھا کہ وہ سمجھتا ہے کہ نہیں  
— جس حیر کا مجھے شروع ہوا سے بالکل پسند نہیں ہوتی۔ آپ بتائیے۔ یہ کہتی  
ہوئی وہ بڑا ٹکڑا پر اونچو ہیٹھ لے گئی۔ اس طرح لیٹنے میں کوئا ہرج۔ ہے ॥  
انور ایک کوئی میں سر کئی گیا۔ اسے کوئی سواب نہ سو جھا۔ اس نے صرف  
اعنا سوچا اس کا درمیانی حصہ کتنا بغیر نہ سوافی ہے۔

پر ویز اونچی لیٹھی رہ گئی۔ آپ نے جواب نہیں دیا۔ مجھے۔ بتائیں میں طرح  
لیٹنے میں کیا ہرج ہے؟ ॥

"انور کا صدقہ میوں کھنے رکھا۔ کوئی ہرج نہیں ॥

"لیکن اس کو ناپسند ہے۔ خدا معلوم کیوں؟" یہ کہہ کر پر ویز نے گردان  
ثیڈھی کر کے انقدر کی طرف، دیکھا۔ آدمی اسی طرح لیٹنے تر معلوم ہوتا ہے۔

تیر رہا ہے۔ میں یورپی ایٹھوں تھا اور پر بڑی تکمیل کروائی کرتی چویں۔ ذر را اٹھاتے ہے نا  
دوہ تکمیل اور میرے اور پر رکھو دیجئے یہ

اندر کا حلقو بانکل خشک ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے یہ  
خشکنے اکتوبر پر وینر نے اپنی پبلی شانگ سے اس کو روکا۔ بیٹھو جائیے نا یہ  
جی میں جیل.....

وڈ سکر اور جیل بے وقوف ہے ایک دن مجھ سے باہمیں کمر رہا تھا۔  
میں نے اس سے کہا اپنے فاؤنڈ کے سوا میرا اور حسی سے رہ تعلق نہیں رہا  
جو اکیل مرد اور عجیب رہت میں ہوتا ہے۔ تو رہ چکنے لگا۔ مجھے تو وہی سے  
بھی اس تعلق سے نفرت ہے — ذرا تکمیر اٹھا کر رکھ دیجئے نا  
میرے اور پرزا۔

اندر اسکی بہانے اٹھا۔ تکیہ دوسرے ہونے میں پڑا تھا۔ اُسے اٹھایا  
اور پرتوپریز کے درمیانی حصے پر جو کہ بہت ہری غیر نسوانی متعارف تھا  
پرتوپریز مسکراتی یہ شکریہ۔ بیٹھتے اب باتیں کریں ۔ ”  
”جی نہیں۔ اب ملکتے سے باتیں کریں، میں چلا۔“ یہ کہہ کر انور پہنچنے  
پر بخستا باہر نکل گیا۔

## خود فرمیں ب

ہم نیو ہر سس اسٹور کے پرائیویٹ کمرے میں بیٹھے تھے۔ باہر ٹیکی فون کی حصیٹی بھی تو اس کامالک غیاث اٹھ کر دیتا۔ میرے ساتھ مسعود بیٹھا تھا اس سے کچھ دور ہے کہ جلیل مانگوں سے اپنی چھوٹی چھوٹی انگلیوں کے ناخن کاٹ رہا تھا۔ اس کے لان پرے مخدر سے غیاث کی باتیں سوچ رہے تھے، وہ ٹیکی فون پر کسی سے کہہ رہا تھا:-

”تمہاری بولتی ہو۔ اچھا نیز تجذیب کیا گے۔ خوب کیا کہا۔“  
تمہارے لئے تو ہماری جان حاضر ہے۔ اچھا تو شکیں پانچ بکے۔  
خدا حافظ۔ کیا کہا؟۔ بھتی کہ تو دیا کہ تمہیں مل جاتے گی۔“  
جلیل نے میری طرف دیکھا۔ منشو صاحب، لیش کرتا ہے یہ غیاث!“

میں بجہا بجہا میں مسکرا دیا۔

جلیل آنسکھیوں کے ناخن اپنے تیزی سے کامنے رکھا تو کئی بڑے کبوڑے کبوڑے کبوڑے کے ساتھ اس کا ٹھاکرہ علاج ہوا ہے۔ میں تو سوچتا ہوں ایکسا اصلور کھولی گوں۔ لیکن یہ اصلور سے خواہ غراہ پریس کے ہلکے میں پڑا ہوں۔ عورت کا اسایہ تک بھی وہاں نہیں آتا۔ سارے اونچے گرد تکڑا اٹھیں سنو۔ تو کے پیچے قسم کے ہلکے ہوں۔ میں صفر ماری گرو۔ یہ زندگی ہے جو؟

میں اپھر مسکرا دیا اتنے میں غدایاث آگیا۔ جلیل نے زور سے اس کے چہرے پر دھچکا دیا اور کہا۔ متنا یہے کوئی تھی یہ جس کے لئے تو انہیں جان حاصل کر رہا تھا۔

غدایاث بیٹھ گیا اور کھینچنے رکھا۔ منظو صاحب کے سامنے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔

جلیل نے اپنی عینیک کے ہمراہ شدیدیوں میں۔ سے گھور کر غدایاث کی طرف دیکھا اور کہا۔ منظو صاحب کو صب معلوم ہے۔ تم بتاؤ کیوں تھی جو؟

غدایاث نے اپنے نیکے شدیدیے والی عینیک اٹھا کر اس کی کامی تھیک کرنے شروع کی۔ ایک نتیجے ہے۔ پر صور آئی تھی طیلی فونی کرنے کی سے منسکہ دس کر رہی تھی۔ فون کر رکھی تو میں نے اس سے کہا، جناب فلیس ان ایجمنے یہ منظو کو مسکرا نے لگی۔ پریس میں۔ باقاعدہ ڈال کر اس نے دس روپے کا ٹوٹ زکا لایا۔ حاصل ہے۔ میں نے تھا، مسکریے۔ آپ کا مسکرا دینا ہی کافی ہے۔ لیس درستی ہو گئی۔ ایک سخن میں تک رہا۔ یہاں تھی رہی عجائی جو کے

دریا رہ مال لگئی۔ مسعود بال Skylan خدا موش بیٹھا رہا اپنی بیر کار کر کے متعلق سوچ رہا تھا۔  
انھوں اب کو اس ہے مجھن خود پر بیجا ہے تیہ کہہ کر اس نے مجھے سلام کیا اور حضراً گیا۔  
غمیا شد اپنی بانوں سے بہت خوش تھا۔ مسعود حسب ایک نیت بولتا تو  
اس کا پڑھ رہ کسی قدر درجہ تھا۔ جلیل تھوڑی دیر کے بعد غمیاش سے خدا طلب ہوا۔  
”کیا منگ رہتے تھے؟“

غمیاش پونکا ہو کیا کہا؟“

جلیل نے پھر پوچھا۔ ”کیا ماگ رہتے تھے؟“

غمیاش نے کچھ ترقف کے بعد کہا۔ ”میدن فورم بیر پریز۔“  
جلیل کی آنکھیں ٹینکے موڑے شیشوں کے عقب سے چکیں۔  
”ہماری کیا ہے؟“

غمیاش نے جواب دیا۔ ”تھری فورم۔“

جلیل تھوڑے خدا طلب ہوا۔ ”منشو صاحب میر کیا بات ہے انکیاں بچتے  
ہی میرے اندر رہیں گا سا پیسا ہو جاتا ہے؟“

میں نے مسلک را کہ اس سے کہا۔ ”آپ کی قوتِ متحیله بہت تیز ہے۔“  
جلیل کچھ نہ سمجھا اور دہنہ سمجھنا چاہتا تھا۔ اس کے درمابن میں کھرد  
ہو رہی تھی وہ اس لڑکی کے متعلق ہاتھیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر کے ساتھ غمیاش  
نے پہلی فون پر باہمی کی تھیں۔ چنانچہ میرا جواب سخن کر اس نے غمیاش سے  
کہا۔ ”یا۔ ہم سے ملاو اُسے۔“

غمیاش نے کافی تھیک کر کے ٹینکے لگائے۔ ”مجھی یہاں آئے گی تو میں ہیز ہو۔“

”چھوٹھیں یا کام ہمیشہ کبھی تجھے دیتے رہتے ہو۔ پچھلے دنگوں بعد وہ  
بواز آئی تھی۔ کیا نہ تھا اس کا بھی۔ جبیل میں نے آگے بڑھ کر اس سے بات  
کھرانا پا ہی تو تم نے باقاعدہ جوڑ کر پچھے منع کر دیا۔ میں اس سے کھاتونہ جاتا ہے  
یہ کہہ کر عالمیں فرمائیں کہ میرے شیشیوں کے پچھے اپنی آنکھیں سکوڑیں۔  
جلیل اور غدیاں تھے دو نوں میں پہنچنا تھا۔ دونوں ہر وقت روکیوں کے  
متعلق سوچتے رہتے تھے، خوبصورت، موقی، دُبی، بحدتر کی روکیوں کے  
متعلق۔ ٹانکے میں پہنچ ہوئی روکیوں کے متعلق۔ پیدل ملٹی اور سانیکل  
سو اور روکیوں کے متعلق۔ جلیل اس معاملے میں غدیاں سے بازی کے گیا تھا۔  
درست سے کسی ضرورتی کا کام پر موڑ میں نکلتا۔ راستے میں کوئی ٹانکے میں پہنچ یا  
مورٹر میں سورا رکھ کی نظر آ جاتی تو اس کے پچھے اپنی موٹر لگا دیتا یہ اس کا  
خوب ترین شغل تھا۔ میکن اس نے کبھی بد تحریزی نہ کی تھی۔ چھڑ پھاڑ سے اسے  
ڈر لگنا تھا۔ جو اس تک گفتار کا تعلق ہے اسے غازی کہنا چاہتے ہیں بڑے  
بڑے مذہبی طبقے سرکری چکا تھا۔

پہلے ہی کمرے میں جب باہر اسٹور سے کوئی نسوانی آواز آئی  
تو غدیاں اچھل پڑتا اور پرداہ ہٹا کر اکیپ دم باہر نکل جاتا۔ مرد گاہکوں  
سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی ان سے اس کا ملازم عہدتا تھا۔

دونوں اپنے کام میں ہو شمار تھے اسٹور کس طرح چلا یا جاتا ہے  
اس کو کیوں لکھر منبوں بنادیا جاتا ہے، اس کا غدیاں کو بڑا چھا سلیقہ تھا  
اسی طرح جلیل کو پریس کے تمام شعبوں پر کامل عبور تھا۔ لیکن فرصت

کے اور قوامت میں وہ صرف لڑکیوں کے متعلق سوچتے تھے۔ خیالی اور اصلی لڑکیوں کے متعلق۔

اسٹور میں کسی دن جب کوئی بھجو لڑکا نہ آئی تو خیاٹ اور اس ہو جاتا۔ یہ اور اسی وہ جلیل سے قبلی فراغ پر ان لڑکیوں کے متعلق بائیکیں کھر کئے دندھ کرتا جو الجول اس کے جمال میں اچھی ہوئی تھیں۔ جلیل اسے اپنے صدر کے سنا تا دو نوں کچھ دیر بائیکیں کرتے۔ اسٹور میں کوئی علاج کا آتا یا ادھر پر سو بیکسی کو جلیل کی ضرورت ہوتی تھی و پسپک سندھ لفتگ منقطع ہو جاتا۔

اس لحاظ سے فیروز پر اس اسٹور بڑی و پسپ جگہ تھی۔ جلیل دیناں دو تین ہفتہ بھروسہ آتا۔ پریس سے کسی کام کے لئے نکلتا تو چند منٹوں ہری کے لئے۔ اسٹور سے باہر ہو جاتا۔ تمہارے سے کسی لڑکی کے باسے میں پھر جھاڑ کرنا تو انگلی میں خود کی چہلپی گھماتا ہوا جاتا۔

جلیل کو خیاٹ سے یہ کہا کہ وہ اپنی لڑکیوں کے متعلق انتہائی راذ داری سے کام لیتا ہے، اس کا نام شک نہیں بتاتا۔ پھر پسپ کران سے ملتا ہے۔ ان کو تھنے تھانف دیتا ہے اور اکیلے اکیلے علیش کرتا ہے ایسی ٹھنے خیاٹ کو جلیل سے تھا۔ یعنی دو نوں کے دوستانہ تعلقات ویسے کے دریے قائم تھے۔

اکیلہ اسٹور میں ایک سپاہ بر قعے والی طورت آئی۔ نقاب اگدا ہوا تھا۔ پھرہ پسینہ سے شرابور تھا آتے ہی اسٹور پر بلیغ گئی۔ خیاٹ جب اس کی طرف بڑھتا تو اس نے بر قعے سے پسینہ پوچھ کر اس سے کہا۔ پانی پلا سیئے

(کیپ، گلار)۔

غمیاث نے فوراً ٹوکر کو بھیجا کہ ایک چند دن ہمیں لے آئے۔ خورست نے چوتھے سائنس پڑھوں کو زیکھا اور غمیاث سے پوچھا۔ پتکھا کیوں نہیں مللاتے آپ؟ ”  
غمیاث نے سر تاپا معذرت بنا کے آہا۔ ” دوسرے خوب ہو گئے ہیں۔ ”  
معلوم نہیں کرایا ہوا۔ میں نے آدمی بھیجا ہوا ہے۔ ”

خورست اسٹولن پر سے اٹھی۔ ” میں تو یہاں ایک منٹ نہیں بیٹھ سکتا ہے۔ ”  
کہہ کر دہ شوکیسیاں کو درج کیے گئے۔ آدمی غاک شد پنکھ کر سکتا ہے  
اس دوسرے میں۔ ”

غمیاث نے اٹھا اٹھا کر کہا۔ ” مجھے افسوس ہے۔ آپ۔ آپ  
اندر تشریف لے چلتے۔ .... جس پیز کی آپ کو خورست ہو گئی میں لا ائم  
دور گا۔ ”

عمرت نے غمیاث کی طرف دریکھا۔ ” چلتے۔ ”

غمیاث تین قدمی سے آگے بڑھا۔ پردہ ہٹایا اور اس عمرت سے کہا۔  
” قشر ایضہ لائیے۔ ”

عمرت اپنے کھر سے میں داخل ہو گئی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ غمیاث  
نے پردہ چھوڑ دیا۔ دو نڑیں میری نظر دن سے او جمل ہو گئے۔ چند لمحات کے  
بعد غمیاث نکلا۔ میرے پاس آ کر اس نے ہوئے سے کہا۔ ” منتو صاحب کیا  
خیال ہے آپ کا اس لڑکی کے بارے میں؟ ”  
میں مکسر دیا۔

غمیاث نے ایک غمانے سے مختلف اقسام کی پاسکیں نکالیں اور اندر کھرے میں لے گیا۔ اتنے میں جلیل کی موڑ کار ہارن بجا اور وہ انگلے پر چابی گھما تا نمودار ہوا۔ آتے ہجا اس نے پُکارا۔ "غمیاث۔ غمیاث، آج بھئ سنو وہ کل دالا معااملہ میں نے سب ٹھیک کر دیا ہے۔" پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ "آغاہ منتشر صاحب۔ آداب عرض۔ غمیاث کہاں ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "اندر کھرے میں ہے۔"

"وہ میں نے سب ٹھیک کر دیا منتشر صاحب۔ ابھی ابھی پڑول پکپ کے پاس ملی۔ پیدل جبار ہی تھی۔ میں نے موڑ روکی اور کہا جناب یہ موڑ آخر کس مرض کی دوادی ہے، اُس سے مریض پھر ڈکر آ رہا ہوں۔" پھر اس نے کھرے کے پردے کی طرف منڈ کر کے آواز دی۔ "غمیاث باہر نکل بے!"

جلیل نے انگلی پر زندہ سے چابی گھمائی۔ مصروف ہے۔ اب اس نے اندر مصروف ہونا شروع کر دیا ہے۔ کہہ کر اس نے آگے بڑھ کر پردہ اٹھایا، ایک دم اس کے جیسے بریکیں سی لگ گئی، پردہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کیا تو صوری۔ کہہ کر دم اس کے قدم والیں آیا اور گھبرائے ہوئے ہیجے میں اس نے مجھ سے پوچھا۔ "منتشر صاحب و کون ہے؟"

میں نے دریافت کیا۔ "مگماں کون؟"

"یہ جو اندر بیٹھی ہوں گوں پر لپ اسک لغوار ہی ہے۔"

میں نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں گا ابک ہے۔"

جلیل نے خیک کے موٹے شیشوں کے پیچے آنکھیں سکریٹیں اور

پر درے کی طرف دیکھنے لگا۔ غمیاث باہر نکلا جلیل سنتے ہو جلیل،“ کوہا اور آئندہ اٹھا کرو اپس کمرے میں چلا گیا۔ دونوں دفعہ جب پردہ اٹھا تو جلیل کو محنت کی ہلکی سی جھلک نظر آئی۔ میری طرف ہٹ کر اس نے کہا۔ ”عیش کرتا ہے پڑھا۔“ پھر اضطراب کی صالت میں ادھر ادھر ٹکلنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد پردہ اٹھا۔ عیش ہونٹوں کو چھپتی ہوئی۔ جلیل کی نگاہوں نے اس کو استور کے پاس تک پہنچا۔ پھر اس نے پٹک کر کمرے کا رخ کیا۔ غمیاث باہر نکلا رو ماں سے ہونٹے صاف کرنا۔ دونوں ایک دوسرے سے قریب قریب ٹکوا گئے۔ جلیل نے تیز رجھے میں اس سے پوچھا۔“ یہ کیا قصہ نہ کہا بھائی؟“

غمیاث مسکرا یا۔“ کچھ نہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے رو ماں سے ہونٹے صاف کئے۔ جلیل نے غمیاث کے پیشکی بھر کی۔“ کون تھی؟“

”زارِ حکم ایسی باتیں نہ پوچھا کرو۔“ غمیاث نے اپنا دعا مال ہواں لہرا یا۔

جلیل نے چھین لیا۔ غمیاث نے جھپٹا مار کرو اپس لینا چاہا۔ جلیل پندرہ بدمی کی ایک طرف ہٹ گیا۔ رو ماں کھوں کر اس نے غور سے دیکھا جگہ صدھر سڑخ نشان تھے۔ یعنیک سے سوڑے شیشوں کے پیچھے اپنی انکھیں بُکڑ کر اس نے غمیاث کو لگاندا۔“ یہ بات ہے؟“

غمیاث ایسا پور بن گیا۔ جس کو کسی نے چوری کرتے کرتے پکڑ دیا۔

”جنے دریا۔ ادھر و رو ماں۔“

جلیل نے رو ماں واپس کر دیا۔“ بتاؤ تو سہی کوئا تھا؟“ دتنے میں نوکر بیہنے لے کر آگئی۔ غمیاث نے اس کو اتنی دری رکھنے پر بھر کا۔

”کوئی جہاں آتے تو تم ہمیشہ الیما ہی کیا کرتے ہوئے  
غیاث نے جلیل سے پوچھا۔ ”بہمیں اسی کے لئے منگوا یا گیا تھا؟“  
”پاں بارے اتنی دیر میں آیا ہے کہم سخت۔ در میں کہتی ہوئی پیاسا ہی  
بھی۔ یا۔ غیاث نے رومال جیب میں رکھ دیا۔  
جلیل نے شتو کیس پر سے میں کا گلاس انٹھایا اور غٹان سخت پی گیا۔ ہماری  
پیاس تو بچھتی۔ لیکن یا ربتاؤ نا تھی کون؟۔ پہلی ہی ملاقات میں تم نے  
ہاتھ صاف کر دیا۔“

غیاث نے رومال نکال کر اپنے ہونٹ صاف کئے اور انکھیں چمکا کر اکہلہ  
”چمٹ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ سیخوٹھیک نہیں۔ درکان ہے۔ زبردستی ہے  
ہونٹوں کا چمٹا لے گئی؟“

ایک دم مسعود کی آواز آئی۔ ”سب بکواس ہے۔ محض خود فریبی ہے۔“  
غیاث چونکہ پڑا۔ مسعود اسٹور کے باہر کھڑا تھا اس نے مجھے سلام  
کیا اور چل دیا۔ جلیل فوراً ہی غیاث سے مخاطب ہوا۔ ”چھوڑ دیار قم بتاؤ۔ پھر  
کیا ہوا؟۔ یا۔ ہیرا پھی تھی۔ کیا نام ہے؟“

غیاث نے جواب نہ دیا۔ مسعود کی آواز کے اچانک جملے سے وہ بوکھلا سا  
گیا تھا۔ جلیل کو ایک دم یاد آگیا کہ وہ تو ایک بہت ہی ضروری کام پر نکلا ہے  
انکھی پر چابی لھما کرہ اس نے غیاث سے کہا۔ ”رٹکی کے متعلق پھر پوچھوں گو۔  
اچھا منشو صاحب السلام علیکم“ اور چلا گیا۔

میں نے مسکرا کر غیاث سے پوچھا۔ ”غیاث صاحب اتنی جلدی پہلی ہی

ملاقات میں آپ نے ...۔

خیریات جھینپ گیا۔ میری بارے کاٹ کر اس نے کہا۔ "چھوڑ سیئے منڈپ و دب  
— آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ چلئے انہے بیٹھیں۔ یہاں تک ہی ہے۔"  
ہم اندر کھرے کی طرف چلنے لگے تو اسمُورہ کے باہر جلیل کی موڑی کی اونچے  
نرور زور سے ہارن بجا یا خدیاث نہ گیا تو وہ خود دوڑ راندار آلات خدیاث اور حراڑ  
— بس اسٹینٹ کے پاس ایک بڑی خوبصورت لاط کی کھڑکی ہے۔"  
خدیاث اس کے سامنے چلا گیا۔ میں سکردنے لگا۔

اس دوران میں جلیل نے بڑی مشکلوں سے اپنے باب کو راضی کیے  
ایک کر سمجھیں لڑکی ملازمِ رکھری۔ اس کو وہ اپنی اسٹینٹ کہتا تھا۔ کہی بارِ موڑ میں  
اس کو اپنے ساتھ لایا۔ لیکن اس کو موڑ ہی میں بھائے رکھا۔ خدیاث کیوں اس  
بات کا بہت عضتہ تھا۔ ایک بارہ اسٹینٹ کے سامنے خدیاث نے جلیل کو مذلق  
کیا تو وہ بہت سدھ پڑا۔ اس کے کان کی سورخ ہو گئیں نظریں جھکا کر  
اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور یہ جاوہ جا۔

بتول جلیل کے یہ اسٹینٹ شروع شروع میں تو بڑھ کر زندہ رہا۔ لیکن آخر  
اور سے کھل ہی گئی۔ "بس اب چند نزوں ہی میں معاملہ پناہ سمجھو۔  
خدیاث اب زیادہ تر جلیل سے اسٹینٹ کی باتیں کرتا۔ جلیل اس سے اس  
ردیکی کے متعلق پوچھتا ہے، نے چھٹی کر اس کو چوم لایا تھا تو خدیاث عموماً یہ کہتا  
ہے کہ اس کا ٹیکلی فون آیا۔ پوچھنے لگی آؤں؟ — میں نے کہا یہاں نہیں۔ تھر وقت  
نکالو تو میں کسی اور جگہ کا استظام کر لوں گا۔"

جلیل اس سے پوچھتا ہے کیا کہا اس نے؟ ”  
غیاث جواب دیتا ” تم اپنی اسٹینٹ کی سناد یہ  
اسٹینٹ نے میرا باتیں شروع ہو گتیں۔

ایک روز میں اور غیاث دونوں جلیل کے پریس گئے۔ مجھے اپنی کتاب  
کے گرد روپوش کے ڈیزائن کے بارے میں دریافت کرنے انتہا۔ دفتر میں اسٹینٹ  
ایک کونسے میں بیٹھی تھی۔ لیکن جلیل نہیں تھا۔ اسٹینٹ سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ  
وہ ابھی ابھی باہر نکلا ہے۔ میں نے فوکر کو بھیجا کہ انہیں کو ہماری آمد کی اخبار  
ہے، تھوڑی کمی دیر کے بعد جلیل آگیا۔ چکا اٹھا کر اسی نے مجھے سلام کیا؛  
اور غیاث سے کہا ” ادھر آؤ غیاث ۔ ”

” تم دونوں باہر نکلے۔ غیاث کو ایک کونسے میں لے جا کر جلیل نے اچھ کہ  
غیاث سے کہا ” میدان مار لیا۔ ابھی ابھی تمہارے آنے سے تھوڑی دیر ہے  
یہ کہہ کر وہ رک گیا اور مجھ سے مخاطب ہوا ” معاف کیجئے گا منشو صاحب ۔ ”  
پھر اس نے غیاث کو زور سے اپنے ساتھ بھینچ لیا ” بس میں نے آج اس کو  
پکڑ لیا۔ باسکل اس طرح۔ اور اسی جگہ۔ اس روپیڈل کے پاس ۔ ”  
غیاث نے پوچھا ” کیسے؟ ”

جلیل جھنگھلا گیا ” ابے اپنی اسٹینٹ کو قسم خدا کی مزا آگیا۔ یہ دیکھو یہ  
اُس نے اپنا رومال پتوں کی جیب سے نکال کر ہوا ایسی اہرایا سام پر سرفی  
کے دھستے تھے۔ ”

ایک دم مسعود کی آواز آئی ” بگو اس ہے۔ محض خود فرمی ہے ۔ ”

بلیک اور غدیاث چونا کا اٹھتے۔ میں مسکایا۔ فریڈ مل کے تو سے پہ  
سرخ رنگ کی پتلی سی ہموار تہہ بھیلی ہوئی تھی۔ ایک جگہ پوچھنے کے باعث  
کچھ خراشیں پڑ گئی تھیں۔

۱ جون شنبہ

# بُرْمی آٹکی

گھیان کی شوٹنگ تھی۔ اس لئے کھاپت جلدی سو گیا۔ فلیٹ میں اور کوئی نہیں تھا۔ بیوی کا پکنے وال پنڈتی چلے گئے تھے۔ ہمسایوں سے اسے کوئی درج پہنچی نہیں تھی۔ یوں بھی بھتی میں لوگوں کو اپنے ہمسایوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کھاپت نے اکیلے براں ڈھی کے چار بیک پکنے کھانا کھایا انوکر دن کو رخصت کیا۔ اندرونی وازہ بند کر کے سو گیا۔

رات کے پانچ بجے کے قریب کھاپت کے خار آلو دکانوں کو دھک کی آواز سنائی دیکھ۔ اس نے آٹھھیں کھول لیں۔ نیچے بازار میں ایک ٹین دنر نالی ہوئی گزد ری۔ چند لمحات کے بعد دروازے پر بڑے زور دی کی اوستک ہوئی۔ کھاپت اٹھا۔ پلنگ سے اترلا تو اس کے نگئے پر ٹھنڈیں تک

پانی میں چلے گئے۔ اس کو سخت چہرت ہوئی کہ گھر سے میں اتنا پانی کہاں سے آیا۔ اور باہر کھدکی دوڑ میں اس سے بھی زیادہ پانی تھا۔ دروازے پر دستک جاری تھی۔ اس نے پانی کے متعلق سوچنا چھوڑا اور دروازہ کھوڑا۔

گیان نے زور سے کہا: ”یہ کیا ہے؟“

کفایت نے جواب دیا: ”پانی۔“

”پانی نہیں۔ چھرتا!“ یہ کہہ گیان نیم انہ صیرے کو روی درڑ میں داخل ہوا اس کے پیچے ایک چھوٹے سے قدم کی لڑکی تھی۔

گیان کو فرش پر پھیلے ہوتے پانی کا کچھ احساس نہ ہوا لڑکی نے پائیجادار اور پر اٹھا دیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی گیان کے پیچے چلی گئی۔

کھایت کے فریں میں پہنچے پانی تھا۔ اب یہ لڑکی اس میں داخل ہو گئی اور دیکھیاں رکانے لگی۔ سب سے پہلے اس نے سوچا یہ کون ہے۔ شکل و صورت اور لباس کے اعتبار سے بربی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن گیان نے کہاں سے آیا۔

گیان انہ صیرے میں جا کر کپڑے تبدیل کئے بغیر بلنگ پر لیٹا اور لیٹتے ہی سوچا۔ کفایت نے اس سے بات کرنے چاہی مگر اس نے حرف ہوں ہاں میں جواب دیا اور آنکھیں نہ کھولیں۔ کفایت نے اس لڑکی کی حرف ایک نظر دیکھا جو سامنے والے بلنگ پر بیٹھی تھی اور باہر نکل گیا۔

باہر چی خانے میں جا کر اسے معلوم ہوا کہ رہبر کا وہ پاسپ جو راستہ کو

بڑا ڈر س بھرا کر رتا تھا۔ باہر نکلا ہوا ہے، تمیں بچے جب نل میں پانی آیا تو اس نے تمام کمر سے سیراب کر دیتے۔ تینوں نوکر باہر گلی میں سور ہے تھے۔ گداشت نے ان کو جگا بیا وہ پانی خارج کرنے کے کام پر لگا دیا۔ وہ خود بھی ان کے ساتھ شریک تھا۔ سب چکروں سے پانی اٹھاتے تھے اور بالٹیوں میں ڈالتے جاتے تھے اس بہر میاڑ کی نے جب ان کو یہ کام کرتے دیکھا تو جھٹ پٹ سینٹل اُن کا ہاتھ بٹانے لگی۔

اس کے چھوٹے گورے پر ہاتھ۔ الگیوں کے ناخن بڑھاتے ہوتے اور سرفی گلنیوں تھے۔ چھوٹے چھوٹے کٹے ہوتے بال تھے۔ جن میں بھی ہمکی اور ہمیں میں مرضع کا مکر چلا رہا تھا پجا مہر پہنچتی تھی اس پر ہمیاہ دنگ کا رسمی کرتا تھا جس کی چھوٹی چھوٹی چھاتیاں ہیں۔ جب اس نے ان لوگوں کا ہاتھ بٹانا شروع کیا تو کھا بیت نے اسے منع کیا۔ آپ تکلیف نہ کہجئے یہ کام ہو جائے گا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ چھوٹے چھوٹے سرخی لگے ہونٹوں سے مسکراہی اور کام میں لگی رہی۔ آدم سے کھنٹنے کے اندر راندھر عیندوں کمروں سے پانی نکل گیا۔ کفایت نے سوم پا چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ اسی بہانے سارا گھر دھمل کر ی صاف ہو گیا۔

وہ بہر میاڑ کا ہندو نے کے لئے غسل خانے میں چلی گئی۔ کفایت تھر سیدھی کرنے کے لئے سبتر پر لیٹا نہیں۔ پوری ہنسی ہوئی تھی سوچیا۔ تقریباً زند بچے وہ جا گکا اور جاتے ہیں اسے سمجھے پہلے پانی کا خیال آیا

پھر اس نے ببر بھاری کی کے متعاق سوچا، جو گیان کے ساتھ آئی تھی۔ "کہیں خواب تو نہیں تھا۔ لیکن یہ سامنے گیان سوچ رہا ہے اور فرش بھی دھلا ہوا ہے۔" کفایت نے خود سے گیان کی طرف دیکھا۔ وہ پتلون کوٹے بلکہ جوتے صمیت اوندوہا سورہ تھا۔ کفایت نے اس کو جگایا۔ اس نے ایک آنکھ کھوایا اور پوچھا۔ "کیا ہے؟" "بڑا کی کوئی ہے؟"

گیان ایک دم چونکا۔ لڑکی۔ کہاں ہے؟" پھر فوراً ہمچوت بیٹ گیلے۔ "اوہ۔ سمجھو اسی نہ کرو۔ تھیک ہے۔" کفایت نے اسے پھر جگانے کی کوشش کی، مگر وہ خاموش سویا رہا۔ اس کو سارا طبقے نویکے اپنے کام پر جانا تھا۔ اس نے جلد کیا جلد کی خصل کیا۔ شدید بھی خصل فنا نے کے اندر ہی کر لیا۔ باہر نکل کر ڈرائیک روڈ میں گیا۔ تو اس کو میر سمجھی ہوئی۔ نظر آفی۔

صحیح ناشرتہ پر عام طور پر کفایت کے ہاں بہت ہی مختصر تجزیہ ہوتی تھیں۔ دو اپنے ہوئے انڈے۔ دو توں، مکھیں اور چار۔ مگر آج میز رنگین تھی اس نے غزر سے دیکھا۔ پھر ہوئے انڈے، عجیب و غریب انداز میں کئے ہوئے تھے کہ کچھ معلوم ہوتے تھے۔ سلااد تھا۔ بڑے خوبصورت طریقے سے پلیٹ میں سمجھا ہوا۔ تو سوں پر کبھی مینا کارہ کی ہوئی تھی۔ کفایت چکر اگایا۔ پاور چیخانے میں ٹھیک تو وہ بربغا لڑکی چور کی پرستی تھی سامنے۔ لگنچھی رکھتے کچھ کہہ رہی تھی۔ تینوں تو کہ اس کے ارد گرد تھے اور۔ ہنس ہنس کر اس سے باہمیں کر رہے تھے۔

کفایت کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، ببر می لڑکی نے آنکھیں سمجھا کہ اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔

کفایت نے اس سے بات کرنا چاہی لیکن وہ کیسے کرتا۔ اس سے کھیا کہتا وہ اسی کو جانتا تھا۔ اس نے اپنے ایک نوکر سے صرف اتنا پوچھا۔  
”بینا شستہ آج کس نے تیار کیا ہے بشیر؟“

بشیر نے اس ببر می لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ باقی جی نے۔

وقت بہت کم تھا۔ کفایت نے مجلد کی جلد کی ان کا سمجھانا شستہ کھایا اور کپڑے پہن کر اپنے دفتر روانہ ہو گیا۔ شام کو واپس آیا تو وہ ببر می لڑکی اس کے سامنے سوٹ کا اکلوتا پا جامہ پہنے اپنا کہ نہ استری کر رہی تھی کفایت پہچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ وہ صرف پا جامہ پہنے تھی۔

”آجائیے؟“

لہجہ بڑا صاف سترہ تھا۔ کفایت نے سوچا کہ ببر می لڑکی کی بجا تے شاید کوئی اور بولا ہے۔ جب وہ اندر آگیا تو اس لڑکی نے چھوٹے چھوٹے ہنوسوں پر مسکرا ہٹ پیدا کر کے اس کو سلام کیا۔ کفایت کی موجودگی میں اس نے کوئی حجاب محسوس نہ کیا۔ بڑے سکون سے وہ اپنا سیاہ کرتا استری کر قرار ہی کفایت نے دیکھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی گول چھاتیوں کے درمیانی حصے میں استری کی گرمی کے باعث پسینے کی تنگی تھی بوندیں جمع ہو گئی تھیں۔

کفایت نے گیان کے بارے میں پوچھنے کے لئے بشیر کو آواز دینا پڑا۔  
ملائک گیا۔ اس نے مناسب خیال نہ کیا کیونکہ وہ لڑکی آدمی ننگی تھی اس نے

ہمیٹ اُتار کر اکیل طرف رکھا۔ تھوڑی دیر اس نیم عربی کو دیکھتا رہا۔ مگر اسے دیکھ کر کوئی تیجان محسوس نہ کیا۔ بڑی کا بد نہ بے داع غصہ۔ جلد نہ پت جی ملائم تھی، اتنی ملائم کہ نگاہیں پھسل پھسل جاتی تھیں۔

مگر تا استر کی ہو گیا تو اس نے سوچ لی اوف کیا اکیل کرتا اور بھی تھا سفید بوسکی کا جو تہہ کیا ہوا استر کی شدہ پائجامہ پر رکھا۔ اس نے یہ سب کپڑے اٹھاتے اور کفایت سے خالب ہوئی۔ ”میں نہانے چلی ہوں یہ“

پر کہہ کر وہ نہانے چلی گئی۔ کفایت کوئی اُتار کر سمجھانا نے لگا۔ ”کون

ہے یہ؟“

اس کے دماغ میں بڑی کھد بُدھنہ ہی تھی، جب بھی وہ اس لڑکی کے متعلق سوچتا سارا واقعہ اس کے سامنے آ جاتا۔ راست کو اس کا اٹھانہ پانی ہو پانی۔ اس کا دروازہ کھولنا اور کہنا ”پانی“ اور گیلان کا یہ جواب دینا۔ ”پانی نہیں۔ حیرت“ اور اکیل تھی سی گڑیا کا چشم سے اندر آ جانا۔

کفایت نے دلیں کھا۔ ہٹاوجی۔ گیان آئے گا تو سب کچھ معلوم ہو جائے۔ بونڈ یا ہے دلچسپ۔ اتنی چھوٹی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ آدمی جیب میں رکھ لے۔ چلو برانڈی پیسیں۔

بشير نے ٹکڑے اور برف وغیرہ سب کچھ ملا قلت کرے میں تپانی پر کھد باتھا۔ کفایت نے کپڑے بدلے اور سینا۔ شروع کر دی۔ پہلا پک ختم کیا تو اسے غسل خانے کا دروازہ کھلنے کی ”چوں“ سنائی دی، دوسرا پک ڈال کر وہ انتظار کرنے لگا کہ تھوڑی ہی دیر میں وہ برمی لڑکی ضرور

ادھر آتے گی اس کے مقررہ چار پیگ ختم ہو گئے۔ ملکروہ نہ آئی۔ گیان بھجا نہ آیا۔  
کفایت بھجھلا گیا۔ اندر ریڈر و میں جا کر اس نے دیکھا وہ لڑکی استری کئے  
ہوئے کپڑے پہنے اپنی گول گول چھاتیوں پر ہاتھ رکھے بڑے اٹمیناں سے  
سوار ہی تھی۔ استری والی میر پر اس کے سلیپنگ سوٹ کا اکلوتا پا تجارتہ بڑی  
اچھی طرح توبہ کیا ہوا رکھا تھا۔

کفایت نے واپس جا کر برائٹی کا ایک دبل پیگ گلاس میں ڈالا اور  
نیٹ ہی چڑھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا سر گھومنے لگا۔ اس نے  
بر جی لڑکی کے متعلق سوچنے کی کوشش کی ملکر اس نے محسوس کیا کہ وہ  
اکلوٹ میں پانی بھر بھر کے اس کے دلخان میں ڈال رہی ہے۔ کھانا کھانے  
بغیر وہ صوفیے پر لیٹ گیا اور اس برجی لڑکی کے متعلق کچھ سوچنے کی  
کوشش کرتے ہوئے سو گیا۔

صحیح ہوئی تو اس نے دیکھا کہ وہ صوفیے کی بجائے اندر پینا پر  
ہے۔ اس نے حافظت پر زور دیا۔ میں رات کب آیا یہاں۔ کیا میں نے  
کھانا کھایا تھا؟

کفایت کو کوئی جواب نہ ملا۔ سامنے والا پینگ خالی تھا۔ اس نے  
زور سے بشیر کو آواز دیکر وہ بھاگا اندر آیا۔ کفایت نے اس سے پوچھا۔  
”گیان صاحب کہاں ہیں؟“

بشیر نے جواب دیا۔ ”رات کو نہیں آتے ہی  
وہ کیوں؟“

”معلوم نہیں صاحب“

”وہ باتی جی کہاں ہیں“

”چھٹلی تسل رہ ہیں ہیں“

کفایت کے درماغ میں چھپلیاں تملی جانے لگیں۔ اٹھ کر باور جو خانے میں گیا تو وہ چوپ کی پر بیٹھی سلام نے انگلیوں رکھنے چھٹلی تسل رہ ہی تھی۔ کفایت کو دیکھ کر اس کے ہزوں نوں پر ایک چھوٹی سی مکارا ہٹ پیدا ہوئی۔ ہاتھ اٹھا کر اس نے سلام کیا اور اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ کفایت نے دیکھا تینوں نو کو بے حد مسرور رکھنے اور بڑی مستعدی سے اس لڑکی کا ہاتھ ڈھاندھے تھے۔

بشیر کو کچھ دنوں کی چھپٹا پڑا پنے وطن جانا تھا۔ کہی دنوں سے وہ بار بار کہتا تھا کہ صاحب مجھے تنخواہ دے دیجئے مجھے لمحہ سے کہی خطا آ جکے ہیں۔ دن بھی مارے ہے۔ رات کی وہ اُس سے تنخواہ دینا بھول گیا تھا۔ اب اُسے یاد آیا تو اس نے بشیر سے کہا۔ ”ادھر آؤ بشیر۔ اپنی تنخواہ لے لو۔ میں ہل دفتر سے روپے لے آیا تھا۔“

بشیر نے تنخواہ لے لی۔ کفایت نے اس سے کہا۔ ”توبجے گاڑی

جاوے۔ اس سے چلے جاؤ۔“

”اچھا جیا!“ یہ کہہ کر بشیر ملا گیا۔

باشندہ بے دل نہ زد تھا۔ خاص طور پر فتحی کے ٹکڑے اس نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بشیر کے ذریعے سے اس برمی لڑکی کو بلا بھیجا۔ مگر وہ

نہ آئی۔ بشیر نے کہا۔ جی وہ کہتی ہیں کہ بعد میں کہیں بھی اُنگی وہ ناشستہ ہے  
کفایت کی مالی حالت بہت پسلی تھی۔ گیان بھی آسودہ حال نہیں تھا۔  
ذو نور ابھر ادھر سے پکڑ کر گزارہ کر رہے تھے۔ پرانڈ کی کابینہ وہ بست  
گیان کے دریتا تھا۔ باقی کھانے پینے کا سلسلہ بھی کسی طرح چل جیسا رہا  
تھا۔ جس فلم کمپنی میں گیان کام کر رہا تھا اسی کا دیوالہ نکلنے کے قریب تھا  
مگر اس کو یقین تھا کہ کوئی معجزہ ضرور رونما ہو گا اور اس کی کمپنی سنپھل  
جلائے گی۔ شوٹنگ ہو رہی تھی خاں بنا اسی لئے گیان رات کو نہ آسکا تھا۔  
ناشستہ کرنے کے بعد کفایت نے جھاناک کر باؤ رجھا خانے میں دیکھا۔  
لڑکی اپنے کام میں مشغول تھی تینوں ملازہ م روٹ کسے اس سے نہیں ہنس کر  
باتیں کر رہے تھے۔ کفایت نے بشیر سے کہا۔ ”محصلی بہت اچھی تھی۔“  
روٹ کی نے مڑ کر دیکھا اس کے ہونشوں پر پھوٹ سی مسکا۔ یہ فتنی  
کفایت دفتر چلا گیا اس کو امید تھی کہ کچھ روپوں کا جند و بست ہو جائے  
گا۔ لیکن غلام جیب والی آیا۔ بر میں لڑکی اندھ بیڈ دم میں لیٹی تصویر دیا  
والا سارہ دیکھ رہی تھی۔ کفایت کو دیکھ کر بیٹھ گئی اور مسازم کیا۔  
کفایت نے سلام کا جواب دیا اور اس سے پوچھا۔ ”گیان صاحب  
آئے تھے؟“

”آئے تھے دو پھر کو۔ کھانا کھا کر چلے گئے۔ پھر شام کو آئے چندر  
منشوں کے لئے یہ کہہ کر اس نے ایک طرف ہٹلے کر تکمیل کھایا اور کاغذ میں  
پیٹھا ہوئی بوتل نکالی۔ یہ زمے گئے تھے کہ میں آپ کو دیدوری ہے۔“

کفایت نے بوتل پکڑی۔ کاغذ پر گیان کے چھپنے کا ختم  
یہ پیز کسی طرح مل جاتی ہے لیکن پیسہ نہیں ملتا۔ بہرہاں بیٹھ کر وہ  
نہ ہمارا گیاں ہے۔

اس نے کاغذ کھولا۔ برلن ٹرکی کی بوتل تھی۔ برجنی ٹرکی نے کفایت کی  
طرف دیکھا۔ اور سکر لائے۔ کفایت بھی سکر لایا۔ اب پہنچی ہیں؟  
ٹرکی نے زور سے اپنا سر بلایا۔ نہیں!

کفایت نے نظر بھر کر اس کو دیکھا اور سوچا۔ کیا چھوٹی سی فہمی منی گئی ہے؟  
اس کا جما چاہا کہ وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرے۔ چنانچہ اس سے  
مخاطب ہے۔ آئیے ادھر دوسرے تھے میں بیٹھتے ہیں۔  
نہیں۔ میں کہڑے دھوؤں گی۔  
”اس وقت؟“

”اس وقت اچھا ہوتا ہے۔ رات دھونے سبھ سوکھ گئے۔ امتحان  
ہی استری کر لئے۔“

کفایت تھرٹر کی دری کھڑا رہا اس سے کوئی بات نہ سوچی تو ملا قاتل کے  
میں بیٹھ کر برلن ٹرکی پینا شروع کر دی۔ کھانے کا وقت ہو گیا۔ اس نے برجنی  
ٹرکی کو بلایا مگر اس نے کہا۔

”میں گیان صاحب کے ساتھ کھاؤں گی۔“

کفایت نے کھانا کھایا اور اپنے پنگ پر سو گیا۔ رات کے تقریباً ایک  
بجے اس کی آنکھ کھلی چاند فی رات تھی۔ بلکی بلکی روشنی کھرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

ہمارا بھی بڑے مزے کی چل رہی تھی۔ کروٹ بدلی تو وہ سمجھا صد امنے پینگ پر ایک  
چھٹی ستاروں کی روپیا گیان کے چورڑے بالوں بھرے سینے کے ساتھ چھٹی<sup>ٹ</sup>  
ہوتی ہے۔ کفایت نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑے دقائق کے بعد گیان کی  
آواز آئی۔ یہ چاہو اب مجھے سونے دو۔ کپڑے پہن لو۔“

اسپرنگوں والے پینگ کی آواز کے ساتھ ساتھ رشیم کی سرمهیں کفایت  
کے کانزوں میں داخل ہوئیں۔ تھوڑی دریہ کے بعد کفایت سو گیا۔ صبح چھہ بجے  
اٹھا، کیونکہ وہ رات کو پہ سوچ کر یہاں تھا کہ صبح جلد کی اٹھتے گا اسے بڑام کا  
بہت لمبا سفر ہٹے کر کے ایک آدمی کے پاس جانا تھا۔ جبکہ اسے اسے کچھ ملنے کی  
امید تھی پینگ پر سے اترات تو اس نے دیکھا کہ برمی لڑکی ننگ فرش پر اس کے  
ساینگ سوٹ کا اکھوتا پا تجاہہ پہنے اپنے چھوٹے سے سڈوں بازوں کوہر کے  
نیچے رکھے بڑے سکون سے صورہ ہوا ہے، کفایت نے اس کو جگایا۔ اس نے  
اپنی سہل کامی آنکھیں کھو لیں، کفایت نے اس سے کہا۔ آپ یہاں کیوں لٹھی ہیں؟  
اس کے چھوٹے چھوٹے ہونٹوں پر خصی سی مسکراہٹ پیدا ہوئی اٹھ کر  
اس نے جواب دیا۔ ”گیان کو عادت نہیں کسی کو اپنے پاس سلانے کی یہ  
کفایت کو گیان کی اس عادت کا علم تھا۔ اس نے لڑکی سے کہا۔ جائیے  
میرے پینگ پر لیٹے جائیے۔“  
لڑکی اٹھی اور کفایت کے پینگ پر لیٹ گئی۔

کفایت غسل فانے میں گیا وہاں رسی پر برمی لڑکی کے کپڑے لٹک  
رہتے تھے۔ کفایت صابجی مل کر نہ لفٹنے لگا تو اس کا خیال اس لڑکی کے ملا کشم جسم

کی طرف چلا گیا۔ جس پر سے نگاہیں بھسپل کچھ مل جاتی تھیں۔

غسل سے فارغ ہو کر کفایت نے کپڑے پہنے، جونکہ جلد ہی ہیں تھے اُنے گیان کو جگا کر اس سے کوئی بات نہ کر سکا۔ صبع کا انکلاریٹ کے گیارہ سبجے والی آپس آیا۔ جیسیں خالی تھیں۔ پیدائش روم میں گیا تو گیان اور برمی بڑی دو نوں اکٹھے نیچے ہوئے تھے۔ کفایت نے ملاقاتی کھبے میں بیٹھ کر ہر اندر کا بلندی شرمند کر دی۔ بہت تھکا ہوا تھا۔ مایوس دالپس آیا تھا۔ برمی بڑی کے دستھن سوچتے سوچتے میں صوفے پر سو گیا۔ صبع پانچ بجے اٹھا۔ تپاقی پر اس کا چوتھا پیک پانی میں پڑا۔ باسی ہو رہا تھا۔

کفایت اٹھا بیڈ روم کے ننگے فرش پر برمی بڑی سورہ ہی تھی۔ گیان الہاری کے آئینے کے سامنے کھڑا۔ اٹھا فی باندھ رہا تھا۔ ٹھانٹ کی گڑہ ٹھیک کر کے اس نے دونوں پاسخوں میں بڑی کھوٹھایا اور اپنے پنگ پر لٹادیا۔ مرتلا تو اس نے کفایت کو دیکھا۔ کیوں بھتی۔ کچھ بندوں سمت ہمراہ پوس کا ہے۔

کفایت نے برمی مایوسی سے کہا۔ ”نہیں ہے۔“

”تو میں جاتا ہوں۔“ دیکھو شاید کچھ ہو جائے۔“

پیشتر اس کے کہ کفایت اسے روکے گیا۔ تیزی سے باہر نکل گیا۔ دروازہ کھلا تو اس کی آواز آئی۔ ”تم بھی کوشش کرنا کفایت۔“

کفایت نے پلٹ کر پلٹکار کی طرف دیکھا۔ بڑی بڑی سکون کے ساتھ سورتی تھی اس کے شفے سے سینے پر چھوٹی چھوٹی لگوں گول گول جھاتیاں چک رہی تھیں۔ کفایت کرے سے نکل کر غسل کرنے میں چلا گیا۔ اندرستی پر بڑی کے

نہ ملے ہوئے کپڑے تک رہے تھے۔

غسل خانے سے فارغ ہونا کر باہر نکلا تو اس نے دیکھا لڑکی فوکر وں کے ساتھ ناشستہ تیار کر تھے میں صروف تھی۔ ناشستہ کر کے باہر نکل گیا۔

چار روزہ اسی طرح گزر گئے۔ کفایت کو اس لڑکی کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوا۔ گیان کبھی رات کو دیر سے آتا تھا کبھی دن کو بہت جلدی انکل جاتا تھا۔ یہی حال کفایت کا تھا۔ دونوں پر لیشان نہ تھے۔ پا پتوں میں روند جبادہ صحیح انداختوں بشیر نے کفایت کو گیان کا رقصہ دیا۔ اس میں انکھا تھا۔ خدا کے لئے کسی نہ کسی طرح دس روپے پیدا کر کے ببر جی لڑکی کو دیر دی۔

لڑکی کھٹکی استری کر رہی تھی۔ بالا و زمین کی صرف آمتین باتیں رہ گئی تھیں جس پر وہ بڑے سلیقے سے استری پھیر رہی تھی۔ کفایت نے اس کی طرف لیکھا۔ جب انکی نگاہیں چارہ ہوئیں تو برجی لڑکی مسکرا دی۔ کفایت سورچنے لگا کہ وہ نہ سواروپے کہاں سے پیدا کیے۔ بشیر پاس کھڑا تھا۔ ان کفایت سے کہا۔  
”صاحب ادھر آئے؟“

کفایت نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟“

”جی کچھ کہتا ہے؟“

بشیر نے ایک ہٹ کر دس روپے کا فوٹ نکالا اور کفایت کو دیدیا۔ ”میں نہیں گیا ابھی تک صاحب یہ“

کفایت فوٹ سے سر سورچنے لگا۔ ”نہیں نہیں۔ تم رکھو۔ لیکن تم لگتے کیوں نہیں ابھی تک؟“

”صاحب چلا جاؤں گا کل پرسوں۔ آپ رکھنے یہ رہ پے یہ  
کفایت نے نوٹ جیب میں ڈال لیا۔ اچھا میں شام کو دو ٹاروں گا تمہیں یہ  
کپڑے ورپڑے پہن کر جب برمی لڑکی ناشتا کر ملے تو کفایت نے اس کو  
دس روپے کا نوٹ دیا اور کہا۔ گیان صاحب نے دیا تھا کہ آپ کو دبدوں یہ  
لڑکی نے نوٹ لے لیا اور بشیر کھداوندی بھیجا تو اس سے کہا۔ ”جاؤ  
شیکسی لے آؤ یہ“

بشیر چلا گیا تو کفایت نے اس سے پوچھا۔ ”آپ جا رہی ہیں؟“  
”جی ہاں!“

یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا اور جید روم میں چل گئی۔ وہ اپناروہاں استری کرنے  
بحمول گئی تھی۔ کفایت نے اس سے باتیں کرنے کا ارادہ کیا تو شیکسی آگئی۔ روہاں  
ہاتھ میں سے کروہ رہوانہ ہونے لگی۔ کفایت کو سلام کیا اور کہا۔ ”اچھا جی۔  
میں چلتی ہوں۔ گیان کو میر اسلام بول دینا۔“

پھر اس نے تینوں نو کروں سے ہاتھ ملا کیا اور چل گئی۔ سب کے چہروں  
پر اُن اسی چھا گئی۔

پونے گھنٹے کے بعد گیان آیا۔ وہ کچھ لے کر آیا تھا۔ آتے ہی اس نے  
کفایت سے پوچھا۔ ”کہاں ہے وہ برمی لڑکی؟“  
”چل گئی۔“

”وہ کیسے؟ دس روپے دئے تھے تم نے اسے؟“  
”ہاں۔“

”تَوْلِیْحیک ہے۔ تَحْمیک ہے اے!“ گیان کر سی پرہ بیٹھ گیا۔  
کفایت نے پوچھا۔ ”کون تَحْمی یہ رِد کی یا  
معلوم نہیں؟“

کفایت مرتا پا حیرت بن گیا۔ کیا مطلب؟“  
گیان نے جواب دیا۔ مطلب یہ ہی کہ میں نہیں جانتا کون تَحْمی؟  
”جھوٹ اے!“

”کہاں کی قسم پسخ کہتا ہوں؟“  
کفایت نے پوچھا۔ ”کہاں سے مل گئی تھی تمہیں؟“  
گیان نے ٹانگیں میز پر رکھ دیں اور مسکرا دیا۔ ”عجیب درستانا ہے  
یار۔ پافی کا سیالاب آنے والی رات میں شنکر کے ہاں چلا گیا۔ وہاں بہت پی۔  
اندھیری اسٹیشن سے گاڑی میں سوار ہوا تو سو گیا۔ گاڑی مجھے سیدھی  
چڑھ گیٹے لے گئی۔ وہاں مجھے چوکیدار نے جگایا کہ انھوں۔ میں نے کہا مجھی  
نچھے کہ انھوں جانا ہے۔ چوکیدار نہیں۔ آپ پانچ اسٹیشن آگے چلے آئے  
ہیں۔ اُتراء دوسرے پلیٹ فارم پر اندھیری جانے والی آخری گاڑی کھڑی  
تھیں۔ اس میں سوار ہو گیا۔ گاڑی چلنا تو پھر مجھے نیند آگئی۔ سیدھا اندھیری پہنچ گیا۔  
کفایت نے پوچھا۔ مگر اس سے لمبی کام کیا نہ لئی؟“

”تم سن تو لو!“ گیان نے سٹریٹ سل گایا۔ اندھیری پہنچا۔ یعنی جب اندھیری  
آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں۔ میں ایک چھوٹی سی لونڈیا کے ساتھ چھٹا ہوں۔ پہلے  
تو میں فڑا۔ وہ جائی رہی تھی میں نے پوچھا، کون ہو تم؟۔ وہ مسکرائی۔

میں نے پھر پوچھا، کون ہو بھتی تم۔ وہ مسکرائی اور کہنے لگی تو انہا دیر سے مجھے چوتھے رہے اور اب پوچھتے ہو میں کہن ہوں۔ میں نے حیرت سے کہا اچھا ہے وہ سن سئے لگی۔ میں نے دماغ پر زور دے کر سوچنا مناسب خدا میں نہ کھیا اور اس کو اپنے ساتھ بینچ لیا۔ صحیح تین بجے تک ہم نو نوں۔ پلیٹ فارم کی ایک بیچ پر صوتے رہے، سارا طبقے تین کی پہلی ٹاڑی آئی تو اس میں سوراہ ہو گئے میرا رادہ تھا کہ بن و بست کر کے اس کو کھروپے دوں گا۔ یہاں پہنچنے تو پانی کا طوفان آیا ہوا تھا۔ ہے ناد بچسپ داستان ॥  
کفایت نے کہا۔ خاصی دلچسپی ہے۔ مگر وہ استثنے دیا کیوں رہی

کہا؟ ॥  
گیان نے سکریٹ فرش پر بھینکا۔ وہ کہاں رہی۔ میں نے اس سے رکھا۔ اصل میں وہ یوں رہی کہ میرے پاس کچھ تھا ہی نہیں جو اس سے دریتا۔ بس ذکر گزرتے گئے۔ میں بجے حد شرمندہ تھا۔ کل رات میں نے اس سے صاف کہہ دیا کہ وہ یہو بھتی، دون بڑھتے جا رہے ہے میں تم اسی کو وہ مجھے اپنا اڈس دیں گے۔ میں تمہارا حق تھیں وہاں پہنچا دوں گا۔ آج کل میرا حال بہت بتلا ہے ॥

کفایت نے پوچھا یہ یہ سُن کر اس نے کیا کہا؟ ॥  
گیان نے سر کو جنیش دی۔ مجھی بھری رڑی تھی۔ کہنے لگی، یہ کیا کہتے ہو  
میں نے تم سے کب مانگا ہے۔ لیکن دس روپے مجھے دیدہ یا۔ میرا گھرہ بہاں سے  
بہت دودھ ہے۔ میکسی میں جاؤں گی۔ میرے پاس ایک بھی پیسہ نہیں۔ ॥

کفایت نے سوال کیا۔ ”نام کیا تھا اس کا؟“

گیان سوچنے لگا۔

”بھول گئے؟“

گیان نے اپنی ٹانگی میز پر سے ہٹائیں۔ نہیں یار۔ میں نے اس سے  
نام نہیں پوچھا۔ مدد ہو گئی ہے یہ کہہ کر وہ رہنی شروع کرے گے۔

ارجوان شہنشاہ

# فوجہ باباں

حیدر آباد سے شہاب آیا تو اس نے بھی منظر اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہلا قدم رکھتے ہی صنیف سے کہا ہے دیکھو بھائی، آج شام کو وہ معاملہ خرودہ ہو گا۔ ورنہ یاد رکھو میں والپس چلا جاؤں گا۔“ صنیف کو معلوم تھا کہ ”وہ معاملہ کیا ہے۔ چنانچہ شام کو اس نے ٹیکسی لی۔ شہاب کو ساتھ لیا۔ مگر انٹ روٹ کے نال کے پر ایک دلال کو بلایا اور اس سے کہا۔ ”میرے وہ سوت حیدر آباد سے آتے ہیں۔ ان کے لئے ایک اچھی چیز کری چاہئے۔“ دلال نے اپنے کان سے اڑسی ہوئی بیڑی نکالی اور اس کو ہنڑوں میں دبا کر کہا ہے ”ذکر نہ چلے گی؟“

حنیف نے شہرہاب کی طرف سواری پر لظروں سے دیکھا۔ شہرہاب نے کہا  
”نہیں بھائی۔ مجھے کوئی مسلمان چاہتے ہے۔“

”مسلمان ہے؟“ دلال نے بیڑی کو چوپا۔ چلتے ہے اور یہ کہہ کر وہ بھی  
کیا لگای نشست پر پہنچ گیا۔ ڈرائیور سے اس نے کچھ کہا۔ تیکسی اسٹارٹ  
ہوئی۔ اور مختلف بازاروں سے ہوتی ہوئی فور جبٹ اسٹریٹ کی ساتھ  
وائی گلی میں داخل ہوئی۔ یہ گلی ایک پہاڑی پر تھی۔ بہت اوپنچان تھی۔  
ڈرائیور نے گاڑی کو فرستٹ گیر میں ڈالا۔ حنیف کو ایسا محسوس ہوا کہ  
وہ راستے میں تیکسی رک کر واپس چلنے شروع کر دے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔  
دلال نے ڈرائیور کو اوپنچان کے عین آخری سرے پر جہاں چوک سا بناتھا  
رسکنے کے لئے کھما۔

حنیف کبھی اس طرف نہیں آیا تھا۔ اونچی پہاڑی کی تھی جس سے دائیں  
طرف ایک دم ڈھلان تھی۔ جس بلڈنگ میں دلال داخل ہوا اس کی صرف  
دو منزلیں تھیں۔ مالانکہ دوسری طرف کی بلڈنگ میں سب کی سب چار منزلہ  
تھیں حنیف کو بعد میں معلوم ہوا کہ ڈھلان کے باعث اس بلڈنگ کی تین  
منزلیں خیپ تھیں۔ جہاں لفت جاتی تھی۔

شہرہاب اور حنیف ناموشر بیٹھے رہے۔ انہوں نے کھوئی بات  
نہ کی راستے میں دلال نے اس روکی کی بہت تعریف کی تھی جس کو والے  
وہ اس بلڈنگ میں گرا تھا۔ اس نے کہا تھا۔ ”برڑے اچھے ناندان کی لڑکی  
ہے۔ اپنیں ملکوں پر آپ کے لئے نکال رہا ہوں۔“

دونوں سوچ ارجھتے تھے یہ لڑکی کیسی بھوگی بھا سپیشل طور پر  
نکالی جائی ہے۔

تصویر کی ذمہ کے بعد دلال نمودار ہوا وہ اکیلا تھا۔ ڈنائیور سے  
اس نے کہا: "عکاظ عادا پس کرو۔ یہ کہہ کر وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ عکاظی  
ایک چکرے کے ملٹری، یعنی چارہ بلڈنگز پھر طور پر کر دلال نے ڈنائیور سے کہا۔  
"روک لو یہ پھر حذیف سے قاطب ہوا۔ آئے ہی ہے پورہ رہی تھی کیسے تو ہی ہی میں نے کہا۔ نمبر داعی"

اس پندرہ منٹ کے بعد ٹیکسی کا دروازہ کھلا اور ایک ٹونہ مت  
حذیف کے ساتھ بیٹھ گئی۔ رات کا وقت تھا عکلی میں روشنی کم تھی اس لئے  
شہاب اور حذیف دونوں اس کو اپنی طرح نہ دیکھ سکے سیٹ پر بیٹھتے  
ہی اس نے کہا: "چلو"

ٹیکسی تیزی سے نیچے اترنے لگی۔

حذیف کے پاس کوئی مبارکہ تھی جہاں کوئی معاملہ ہو سکے، چنانچہ  
جیسا طے پایا تھا وہ اکٹھاں صاحب کے بان پلے گئے۔ وہ ملٹری  
ہسپیت میں مستین تھا۔ اور اس کو وہی دو گرے ملے ہوئے تھے۔  
شہاب نے کہی آتے ہی اس کو فون کر دیا تھا کہ وہ حذیف کے ساتھ رات  
کو اس کے پاس آئے گا۔ اور معاملہ ساتھ ہو گا، چنانچہ ٹیکسی ملٹری  
ہسپیت ایں پہنچی۔ دلال سور و پے لے کر گرانٹ روڈ پر اتر گیا۔

راستے میں بھی شہاب اور صنیف اس خورست کو انہی طرح نہ دیکھیں گے۔  
کوئی فحاص باتیں بھی نہ ہوں گے۔ شہاب نے جب اس سے اپنے ٹھبٹ جیدا آباد کی  
بجھے میں پوچھا ہے: آپ کا اسم گرامی ہے تو اس خورست نے کہا: "فوجہا بائی۔"  
"فوجہا بائی؟" صنیف سوچتا رہ گیا کہ یہ کیسا نام ہے۔

ڈاکٹر خان ان کا منتظر کر رہا تھا۔ سب سے پہلے شہاب کمر سے میں  
درائل ہوا۔ دو فوٹوں لگائے ملے اور خوب ایک دوسرے کو مجھا بیا دیں۔  
ڈاکٹر خان نے جب ایک جوان خورست کو دروازے سے میں دیکھا تو  
ایکدم خاموش ہو گیا۔ آئیے آئیے ہے اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔  
"ڈاکٹر خان۔ آپ چھ اس نے شہاب کی طرف دیکھا۔

شہاب نے اس خورست کی طرف دیکھا۔ عورت نے کہا: "فوجہا بائی۔"  
ڈاکٹر خان نے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملا یا: "آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے  
فوجہا بائی مسکراویں۔" مجھے بھی خفی ہوئی۔"

شہاب اور صنیف نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر خان نے  
دروازہ بند کر دیا اور اپنے دوستوں سے کہا ہے آپ دوسرے کمربے میں چلے  
جائیے۔ مجھے کچھ کام کرنا ہے۔

شہاب نے جب فوجہا بائی سے کہا ہے چلئے ہے تو اس نے ڈاکٹر خان کا  
ہاتھ پکڑ دیا ہے نہیں آپ بھی تقریب لا جائیے۔

"آپ تشریف لے چلئے میں آتا ہوں۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر خان نے  
اپنا ہاتھ چھڑا دیا۔

شہاب اور حنیف فوجھا بانی کو اندر لے گئے۔ تھوڑی دیر گفتگی  
ہوئی تو ان کو معلوم ہوا کہ اس کی زبان مولیٰ تھی۔ وہ شین اور سین ادا نہیں  
کر سکتی تھی۔ اس کے بارے اس کے منزہ سے فی نسلتی تھی۔ اس کا نام اس  
لسان سے شو بھا بانی تھا۔ لیکن کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد ان کو پڑھا  
کہ شو بھا بانی اس کا اصلی نام نہیں تھا۔ وہ مسلمان تھی۔ جسے پورا اس کا وطن تھا۔  
جبان سے وہ چار سال ہوئے بھائی کریمی چلی آئی تھی۔ اس سے زیادہ  
اس نے اپنے حالات نہ بتائے۔

مُحْمَّد لی شکل و صورت تھی۔ آنکھیں بڑی نہیں تھیں۔ ناک بھی خوش  
وضع تھی۔ بالافی ہونٹ کے عین درمیان ایک چھڑی سے زخم بخاشان  
تھا۔ جب وہ بات کرتی تھی تو یہ نشان تھوڑا سا پھیل مجاہتا۔ علی ہی اس نے  
جھوڑا۔ نکلس پہننا ہما تھا۔ دو نڈیں پا تھوڑی میں سونے کی چوڑیاں تھیں۔  
بہت ہما با توہنی محنت تھی۔ بیٹھتے ہی اس نے ادھر ادھر کی باتیں  
شور کر دیں۔ حنیف اور شہاب صرف ہوں ہاں کرتے رہے۔ پھر اس نے  
ان کے بارے میں پوچھنا شروع کیا کہ وہ کیا کرتے ہیں، کہاں رہتے ہیں۔ کیا  
نم رہے۔ فادر کی فدہ ہیں یا غیر فادر کی فدہ۔ حنیف اتنا بلا کیوں ہے۔  
فہاب نے دو مصنوعی مانست کیوں لگوائے ہیں۔ گفت خودہ تھا تو اس کا  
علاءج ڈاکٹر خان سے کیوں نہ کیا یا فرماتا کیوں ہے۔ فurer کیوں نہیں مکاتا۔  
شہاب نے اسے کچھ شعر سنائے۔ شو بھانے بڑے زور والی  
داردی۔ جب شہاب نے یہ شعر سنایا۔

کھیتوں کو دے لے تو پاپنی اب بہہ رہی ہے گنگا،  
کچھ کرلو نو جھانو امھتی جوانیاں ہیں  
تو شو بھاڑ پھل پڑی۔ ”دعاہ جناب صاحب وادا۔ بہت اچھا فخر ہے۔  
امھتی جوانیاں ہیں۔ واداوا！”

اس کے بعد شو بھانے بے شمار شعر سنائے۔ بالکل بے جوڑ بے نکے۔  
جن کام سر تھا نہ پیر شعر سننا کہ اس نے شہاب سے کہا۔ ”فہاب صاحب مزا آیا  
آپ کو۔ ”

شہاب نے جواب دیا ”بہوت“  
شو بھانے شرم کر کہا۔ ”یہ فخر میرے نئے۔ مجھے فاعلی کا بہت فروق ہے۔“  
شہاب اور حنیف دو نوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور منسلک را دینے۔  
اس کے بعد صرف ایک صحیح شعر شو بھانے سنایا۔  
”کبھی تو میرے درد دل کی خبر لے  
مرنے درد سے آفنا ہونے والے“

یہ شعر حنیف کی بارہ سن چکا تھا اور شاید پڑھ بھی چکا تھا۔ مگر شو بھانے  
کہا۔ ”حنیف صاحب یہ فخر بھی میرا ہے۔“

حنیف نے خوب ناد دی۔ ”ما فا اللہ آپ تو کماں کر قی میں“  
شو بھا چور بلکی۔ معاف کیجئے گا۔ میری زبان میں تو کچھ خرابی ہے لیکن  
آپ نے کیوں ما فا اللہ کے بدیے ما فا اللہ کہا۔“

حنیف اور شہاب دونوں بے خلائق بارہ ہنس پڑے، شو بھا بھی ہنسنے

لکھی اتنے میں ڈاکٹر خان آگئا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی شو بھا سے کہا: «کہوں جناب اتنی نہیں کس بات پر آ رہی ہے؟» زیادہ ہنسنے کے باعث شو بھا کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اس نے روپاں سے ان کو پوچھا اور ڈاکٹر خان سے کہا: «ایک بات ایسی جتنی کہ جو سب ہنف پڑے ہے؟»

ڈاکٹر خان نے ہنسنا شروع کر دیا۔

شو بھا نے اس سے کہا: «جیسے بیٹھتے ہیں چار پانی کے ایک طرف تک کہ اس نے ڈاکٹر خان کا پانچھا ملکپٹا اولاد سے اپنے پاس بھالیا۔

پھر شو بھا عزی شروع ہوئی۔ شو بھا نے لمبی لمبی بھار بے تک غزلیں بنائیں سد ب نے دادری شہاب اکتا گیا۔ وہ معاملہ مجاہتا تھا۔ حنیف اس کے پار لے ہوئے تیور دیکھ کر بھانپ گیا۔ چنانچہ اس نے شہاب سے کہا: «اچھا بھائی یہ رخصت میا ہتا ہوں، انشاء اللہ رکھل صبح ملاقات ہو گی۔»

وہ یہ کہہ کر کہ سبی پر سے کام لھا۔ مگر شو بھا نے اس کا ہاتھ پھر لیا۔ «نہیں آپ نہیں جا سکتے۔»

حنیف نے جواب دیا: «میں معدودت چاہتا ہوں۔ بیوی کا میرا منتظر کر رہی ہوں گی۔»

«اوہ! یہیں نہیں۔ آپ تھوڑی دریافت فروزیں۔ ابھی تو صرف گیارہ بجے ہیں۔» شو بھا نے اصرار کیا۔

شہاب نے ایک جدائی لی۔ بہت وقت ہو گیا۔

شویہا نے مستدر کر شہاب کی طرف دیکھا۔ میں فارسی سات آپ کے پاف چوں۔ شہاب کا تکر رودر ہو گیا۔

حنیف نے سورہ بیت ۱۷ میں بیٹھا، پھر رخصت لی اور جلا گیا۔ دوسرا روز صبح نوبجے کے قریب شہاب آیا اور رات کی بات سنانے لگا۔ عجیب و غریب خورت تھی یہ فوج بھا بائی۔ پیٹ پر بالشت بھر آپرشن کا نشان تھا۔ کہتنی تھی کہ دن ایک لکڑی والے سیدھو کی داشت تھی۔ اس نے ایک فلم کمپنی کھول دی تھی اس کے چیکوں پر دستخط شد بھا بائی کے ہوتے تھے۔ سورہ بیت تھی۔ جواب تک موجود ہے ان کو پا کر تھے۔ لکڑی والے سیدھو اس سے بے حد محبت کرنے تھے۔ اس کے ہیٹھ کا اپرشن ہوا تو اس نے ایک ہزار روپے تیم مانے کر دئے۔

حنیف نے پوچھا: یہ لکڑی والے سیدھو اب کہاں ہے؟

شہاب نے جواب دیا۔ دوسری دن یا میں ٹال کھولے بیٹھا ہے۔ خورت خوب تھی یہ فوج بھا بائی۔ میں دوسرے سرے کھرے میں سو گیا۔ تو وہ لڈاکھ فلان کے ساتھ لیٹ گئی۔ صبح پانچ بجے فلان نے اس سے کہا کہ اب جاؤ۔ شویہا نے کہا کہ اچھا میں جاتی ہوں، لیکن یہ میرے زیور تھم اپنے پاس رکھو۔ میں اکیلی ان کے ساتھ باہر نہیں نکلتی۔

حنیف نے پوچھا۔ داکٹر نے زیور رکھ لئے؟

شہاب نے سرہلایا۔ ہاں۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ نقلی میں مگر دن کاروشنی میں جب اس نے دیکھا تو اصلی تھے۔

”اور وہ عملی گئی؟“

”ہاں پہلی لگتی ۔ یہ کہہ کر کر دہ کسی روز آکر اپنے زیور والپس لے جاتے گی۔“  
”یہ تم نے بڑے اچنپے کی بات سنائی؟“

”خدا اکی قسم حقیقت ہے۔“ شہاب نے سلگریٹ سلاکا کایا۔ اسی لئے تو  
میں نے کہا یہ فو بھا بائی مجیب و غریب عورت ہے ہے۔“  
حنیف نے پوچھا۔ ”ویسے کسی عورت تھی؟“  
شہاب جھینپ سا گایا۔ ”مجھی مجھے اسی سے معاملوں کا کچھ پتہ نہیں۔ یہ تم  
خان سے پوچھنا۔ وہ اکسپرٹ ہے۔“

شام کو دو لوگوں خان سے ملے، زیور اس کے پاس محفوظ تھے۔ شو بھا  
لینے نہیں آئی تھی۔ خان نے بتایا ہے میرا خیال ہے شو بھا کسی دماغی صدرے کا شکار ہے؟  
شہاب نے پوچھا۔ ”تمہارا مطلب ہے پاگل ہے؟“

خان نے کہا۔ ”نہیں۔ پاگل نہیں ہے۔ لیکن اس کا دماغ یقیناً نور مل  
نہیں ہے جو خاص عورت ہے۔ ایک لڑکا ہے اس کا جسے پورا ہیں۔ اس کو برابر  
دوسرو پے ماہواز بھیتی ہے۔ ہر تیسرا سے ہوئے اس سے ملنے جاتی ہے۔ جسے پہ  
پہنچتے ہی بُر قع اوڑھ دیتی ہے۔ وہاں اُس سے پورا کرنا پڑتا ہے۔“  
حنیف نے کہا۔ ”یہ تم نے کیسے سمجھا کہ اس کا دماغ نور مل نہیں؟“

خان نے جواب دیا۔ ”مجھی میرا خیال ہے۔ نور مل عورت ہوتی تو اپنے  
ڈرڈنڈ ہزار کے زیور ایک اجنبی کے پاس کھینچوڑ جاتی۔ اس کے علاوہ  
اس کو مور فیا کے اچکش لینے کی حادثہ ہے۔“

شہاب نے پوچھا۔ ”نشہ ہوتا ہے ایک قسم کا؟“

خان نے جواب دیا۔ ”بہت ہی خطرناک قسم کا شہاب سے بھی بدتر ہے۔ اس کی عادت کیسے پڑی اُسے چشمہاب نے میز پر سے پسپردیٹ الٹھا کر درات پر رکھ دیا۔

”آپریشنا ہے تو بگیرد گیا۔ درودشدت کا تھا۔ اس کا احساس کم کرنے کے لئے ڈاکٹر مولف فیما کے انگلشی مرتیزے رہے۔ تقریباً درجہ ہینے تک بس عادت ہو گئی۔ ڈاکٹر خان نے مولف فیما اور اس کے خطرناک اثرات پر ایک لکھوڑا شروع کر دیا۔

ایک ہفتہ ہو گیا۔ شو بھانہ آئی۔ شہاب واپس حیدر آباد پلا گیا تھا۔ ڈاکٹر خان نہ یورڈ کے مرمنیف کے پاس آیا کہ چلوڑے سے ہیں۔ دونوں نے مگر انہی کے نکے پر اس ذلال کو بہت تلاش کیا۔ جو شہاب اور صنیف کو شو بھا کے مکان کے پاس لے گیا تھا۔ مگر وہ نہ مل۔ صنیف کو اتنا معلوم تھا کہ محلی کون ہی ہے۔ ڈاکٹر خان نے کہا۔ ”ٹھیک ہے، ہم پتہ لگائیں گے۔ یہ زیورہ میں اپنے پاس نہیں رکھنا پاہتا۔ چوری ہو گئے تو کیا کروں گا۔ وہ تو مجیہ بے بے پردا محیرت ہے۔“

دونوں ٹیکسی میں وہاں پہنچ گئے۔ ڈاکٹر خان کو صنیف نے بلڈنگ بنادی اور کہا۔ ”میں نہیں جاؤں گا بھائی۔ تم تلاش کرو اسے۔“

ڈاکٹر خان اکبل اس بلڈنگ میں داخل ہوا ایک دو آدمیوں سے پوچھا۔ مگر شو بھا کا کچھ پتہ نہ چلا۔ پچھے سے لفٹ اوپر کو آئی تو ہوشی کا چھوکرہ اپالیا۔ اٹھا سے باہر نکلا۔ خان نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ

سب سے سچلی منشی کے آخری فلیٹ پر چلے جاؤ۔ لفت کے ذریعہ سے  
خان نیچے ہے ۔ آخری فلیٹ کی گھنٹی بجا ہی۔ تھوڑی کا زیر کے بعد ایک بڑا ہی  
حمدت نے مددوارہ تھوڑا۔ خان نے اس سے پوچھا۔ ”شو بھا جائیں ہیں؟“  
بڑا ہی نے جواب دیا۔ ”ہاں ہیں۔“

خان نے کہا۔ ”جاؤ اس سے کہو ڈاکٹر خان آتے ہیں۔“  
اندر سے شو بھا کی آواز آتی۔ ”دکھ آئیے ڈاکٹر صاحب آئیے۔“  
ڈاکٹر خان اندر داخل ہوا۔ چھوٹا سا دراٹنگ روم تھا پھر کیسے فرنچس سے  
بھرا ہوا فرش پر قالین بچھے ہوتے تھے۔ بڑا ہی دسرے کمرے میں چل گئی۔ فوراً ہی  
شو بھا کی آواز آتی۔ ”ڈاکٹر صاحب اندر آیا۔“ میں باہر نہیں آسکتی۔“  
ڈاکٹر خان دوسرا کمرے میں داخل ہوا۔ شو بھا چادر اوڑھے لیسی دم تھی۔  
خان نے اس سے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟“

شو بھا مسکرا دی۔ ”کچھ نہیں ڈاکٹر صاحب تیل مالٹی کارہ ہی تھی۔“  
ڈاکٹر پلنگ کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا۔ جیب سے رومال نکالا جس میں زیور  
پند تھے کھول کر اسے پلنگ پر رکھ دیا۔ کب تک میں تمہارے ان زیوروں  
کی عفاظت کرتا رہوں گا۔ تم دیسی نہیں کہ پھر ادھر کارخ تک نہ کیا۔“  
شو بھا انسوئی۔ ”مجھے بہت کام تھے۔ یعنی آپ نے کیوں اتنا کیف  
کی میں خود آکرے لے جاتی۔“ پھر اس نے بڑا ہی سے کہا۔ ”چاۓ منگا تو۔ ڈاکٹر  
صاحب کے لئے۔“

Don-ted By  
Dr. RIZU HADUR GOJAL  
ڈاکٹر نے کہا۔ ”نہیں مجھے اب مانا ہے۔“

”کہاں؟“

”بیسپنٹاں۔“

”ٹیکسی میں آئے ہیں آپ؟“

”ہاں۔“

”بایہر کھڑی ہے؟“

ڈاکٹر نے سر کے اشارے سے ہاں مکی۔

”تو آپ چلنے میں آتی ہوں۔“ پر کہہ کر اس نے زیور تکست کے نیچے رکھ دے اور دو ماں ڈاکٹر خان کو دیدیا۔ ڈاکٹر خان، حنفی کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا۔ ”میں گئی؟“

ڈاکٹر مسکرا یا۔ ”میں گئی۔ آرہ ہی ہے!“

پندرہ بیس منٹ کے بعد شو بھانے تیزی سے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر خان کے کمرے میں دری�ک فضول قسم کی شعر بازہ کی ہوتی رہی۔ ہجر و دصال اور عشق و محبت کے بے شمار عامیانہ اشعار شو بھانے سنا کے اور انہیں اپنے نام سے منسوب کیا۔ ڈاکٹر خان اور حنفی نے خوبی داد دی۔ شو بھا بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی۔ یعقوب فیض گھنٹوں مجھ سے فر فدا کرتے تھے۔

یعقوب فیض ہوڑہ لکڑی والا سٹیمہ تھا جس نے شو بھا کے لئے ایک فلم پہنچی کھولی تھی۔ ڈاکٹر خان اور حنفی ہنس پڑے شو بھا کبھی بنسنے لگی۔

ڈاکٹر خان اور شو بھا کی دستی ہو گئی۔ پسروخ شروع تھا میں تو وہ ہفتے

بیسا دوبارہ آتی تھی۔ اب قریب قریب ہر روز آنے لگی رات آتی بسیح سورپرے  
چلی جاتی۔ شام کو بلانا نامہ میر فیما کا انجکشن لیتی۔ دُاکٹر انجکشن رکھانے سے پہلے اور  
کے باز و پر بے حس کرنے نے والی دو اسکا دیتا تھا یہ ٹھنڈی ٹھنڈی چیز اسے بہت  
پسند تھی۔

تینی ہفتینے گزر سے تو شو بھاجئے پور جانے کے لئے تیار ہوئی۔ موڑ رانی دکڑ  
خان کے خواستے کر دی کہ وہ اس کادھیاں رکھے۔ دُاکٹر اسے اسٹیشن پر چھوڑنے لگیا  
۔۔۔ دُریز تک گارڈی میں ایک دوسرے سے باتیں کہتے رہے۔ جب گارڈی چلنے لگی  
تو شو بھانے ایک دم دُاکٹر کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”جھے کیوں ایک دم ایفا کا ہے  
کہ کچھ ہونے والا ہے؟“

دُاکٹر خان نے کہا۔ ”کیا ہونے والا ہے؟“

شو بھا کے چہرے سے وحشت بر سینے لگی۔ معلوم نہیں میر اول بنی چلہار کا  
ہے۔“

دُاکٹر خان نے رسمے دم دلا ساڑیا۔ گارڈی چل دی، دوڑ تک شو بھا کا  
ہاتھ پاتا رہا۔

جسے پور سے شو بھا کے دو خط آئے جو سے صرف اتنا پتہ چلتا تھا کہ وہ  
خیریت سمجھ رہی ہے، جب واپس آئے گی تو اس کے لئے بہت سے تحفے  
لاسے گی۔ اس کے بعد ایک کارڈ آجائیں یہ لکھا تھا جو میری اندر چبری زندگی  
یں صرف ایک دیا تھا وہ کل خانے بھاڑیا۔ بھلا ہواں کا ہے۔

حنیف نے یہ الفاظ پڑھے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بھلا ہو

اس کا میں بے پناہ نغمہ تھا۔

بہت عرصہ گزر گیا۔ شو بجا کا کوئی خطرناک آیا پورا ایک برسی بیت گیا۔ داکٹر خان کو اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ شو بجا اپنی موٹر اس کے حوالے کر گئی تھی۔ اس بلڈنگ میں گیا جس کی سب سے نکلی منزل میں وہ رہا کرتی تھی، فلیٹ پر کوئی اور بھی قابض تھا۔ ایک دلائی قسم کا آدمی۔ داکٹر خان ان آخر تھک ہار کر خاموش ہو گیا۔ مورٹر اس نے ایک گراج میں رکھوا دی۔

ایک دن حنیف گھبرا یا ہوا ہسپتاں میں آیا اس کا چہرہ نہ در تھا۔ داکٹر خان کو ڈیوٹی سے ہٹا کر وہ ایک طرف لے گیا۔ اور اس سے کہا۔ میں نے آج شو بجا کو دیکھا۔  
داکٹر خان نے حنیف کا بازو سکر ڈکر ایکیم پورچھا۔ کہاں؟  
”چورپائی پر۔ میں اس سے بالکل نہ پہچانتا۔ کیونکہ وہ محض ہر یوں کا دھانچہ تھی۔“

داکٹر خان کھوکھلی آواز میں بولا۔ ہر یوں کا دھانچہ۔  
حنیف نے صڑ آہ بھری۔ شو بجا نہیں تھی اس کا سایہ تھا۔ انکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں، بال پر شیان اور گرد آلوور۔ یوں چلتی تھی کہ اپنے آپ کو کھیلے رہی ہے، میرے پاس آئی اور کہا مجھے پانچ روپے دو۔ میں نے اس کو نہ پہچانا۔ پورچھا کیا کرو گئی پانچ روپے لے کر، بولی مور فیا کا ٹیکہ لوں گی،۔  
ایک دم میں نے غور سے اس کی طرف رسکھا۔ اس کے بالاٹی ہونٹ پر زخم کا نشان موجود تھا۔ میں چلایا، شو بجا۔ اس نے تھکی ہوئی ور ان آنکھوں سے مجھے رسکھا اور پورچھا کون ہوتا۔ میں نے کہا حنیف۔ اس نے جواب دیا۔

یہ سمجھنیف کو نہیں جانتی۔ میں نے تمہارا ذکر کیا۔ کہ تم نے اسے بہت تلاش کیا۔ بہت دھونڈتا۔ یہ سن کہ اس کے ہوٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہوئی اور کہنے لگی، اس سے کہنا مت دھونڈنے سے مجھے۔ میری طرف دیکھو میں اتنی دست سے اپنا کھو یا ہوا لال دھونڈتی پھرہ چی ہوں۔ یہ دھونڈنا بالکل بیکار ہے۔ کچھ نہیں ملتا۔ لائق پانچ روپے درجے۔ میں نے اسے پانچ روپے درجے اور کہا، اپنی موڑ تو سے مجاوٹ داکٹر خان سے، وہ قبیلے لگاتی ہوئی چل گئی۔

خان نے پوچھا۔ "کہاں؟"

حنیف نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں۔ کسی داکٹر کے پاس گئی ہوگی۔" داکٹر خان نے بہت تلاش کیا مگر شو بھا کا کچھ پتہ نہ چلا۔

۱۲ جون ۱۹۵۶ء

## ابھی درو طڑ

” مجھے مت ستائیے۔ خدا کی قسم، میں آپ سے کہتی ہوں مجھے  
مت ستائیے۔ ”

” تم بہت ظلم کر رہی ہو آج کل! ”

” جیساں بہت ظلم کر رہی ہوں ۔ ”

” یہ تو کوئی جواب نہیں ۔ ”

” میری طرف سے صاف جواب ہے اور یہ میں آپ سے کہنے دفعہ کوہہ  
پکی ہوں ۔ ”

” آج میں کچھ نہیں سنوں گا ۔ ”

” مجھے مت ستائیے۔ خدا کی قسم، میں آپ سے سچ کہتی ہوں مجھے مت ستائیے۔ ”

میں مپلا ناشرد عکس کرزوں گی۔“

”آہستہ بولو بچیاں جاگ پڑے میں گی۔“

”آپ تو پھیلوں کے دھیر لگانا اپا ہتھے ہیں۔“

”تمہرے ہمیشہ مجھے یہی طعنہ دریتی ہو۔“

”آپ کو کچھ خیال تو ہونا چاہئے۔ میں تنگ آچکھی ہوں۔“

”درست ہے۔ لیکن —“

”لیکن و ملکی کچھ نہیں اب۔“

”تمہیں میرا کچھ خیال نہیں اصل میں اب تم مجھ سے محبت نہیں کریں۔“

آج سے آٹھ برس پہلے جو بات تھی وہ اب نہیں رہی۔ تمہیں اب میری ذات سے کوئی سمجھی ہی نہیں رہی۔

”جماں۔“

”وہ کیا زندگی ہماری خادی ہوئی تھی تمہیں میری ہر بات کا کتنا خیال رہتا تھا۔  
امباہم کس قدر شیر دار تھے میگر اب تم کبھی سونے کا بہانہ کر دیتی ہو، کبھی تھکاوٹ کا غرہ پیش کرو۔ تھی ہو۔ اور کبھی زدنوں کا نہ بند کر لیتی ہو۔ کچھ سنتی ہی نہیں۔“

”میں کچھ سنبھل کے لئے تیار نہیں اے۔“

”تم ظلم کی آخری حد تک پہنچ لئی ہو۔“

”مجھے سونے دریجئے۔“

”سو جائیے۔ میگر میں ساری رات کر دیں بدلتا رہوں گا۔ آپ کی بلا سے اے۔“

”آہستہ بولتے۔ ساتھ ہمساتے بھی ہیں۔“

”ہو اکریں“

”آپ کو تو کچھ خیال ہی نہیں۔ منیں گے تو کیا کہیں گے؟“  
”کہیں گے کہ اس غریب آدمی کو کیسی کڑی جیوی ملی ہے؟“

”لوہ ہوا۔“

”آہستہ بولو۔ دیکھنے کی جاگ پڑی!“

”اللہ اللہ۔ اللہ جی اللہ۔ اللہ اللہ۔ اللہ جی اللہ۔ سو جاؤ، بیٹے  
سو جاؤ۔ اللہ، اللہ۔ اللہ جی اللہ۔ خدا کی قسم آپ بہت تنگ کرتے ہیں۔  
دران بھر کی تھکی مان رکھ کر سونے تو دیکھتے!“

”اللہ اللہ۔ اللہ جی اللہ۔ اللہ اللہ۔ اللہ جی اللہ۔ تمہیں اچھی طرح سُلانا  
بھی نہیں آتا۔“

”آپ کو تو آتا ہے نا۔ سارا دن آپ گھر میں رہ کر یہی تو کرتے رہتے ہیں۔  
بھتی میں سارا دن تر میں کیسے رہ سکتا ہوں۔ جب فرصت ملتی ہے  
آجاتا ہوں اور تمہارا ہاتھ پہاڑ دیا ہوں۔“

”میرا ہاتھ پہانے کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں۔ آپ ہر بانی کر کے  
گھر سے باہر اپنے دوستوں ہی کے ساتھ چھر سے اڑایا کریں۔“  
”اچھا چھر سے!“

”میں زیادہ بائیں نہیں کرنا چاہتی۔“

”اچھا دیکھو، میری ایک بات کا جواب درو۔“

”خدا کے لئے مجھے تنگ نہ کیجئے یہ۔“

”کمال ہے میں کہاں جاؤں؟“

"جوں آپ کے سینگ سمائیں، ملے جائیے"

لیا بہمارے سینگ بھی ہو گئے ہے

۱۰ آپ چُپ نہیں کریں گے یہ

"نہیں۔ میں آج بونتا ہی رہوں گا کہ خود سو وہاں گا انہیں سونے نہ دوں گا۔"

"سچ کہتی ہوں میں پاٹکل ہو جاؤں گی۔ لوگوں پر کیسا آنکھی ہے۔ کچھ سمجھتا

"تکمیل ضرور تکامل پیغاموں کو جو مکمل رہ ہوگی ۴

منہ پرید اکی ہوتیں اتنی اس

وہ پیسے اکبر نے وہ ایس تو نہیں بھوئی۔ یہ تو اللہ کی دین ہے۔ اللہ، اللہ

الله حبي اشد اشد - الله حبي اشد

”بھی کوئاں میں نے جگایا تھا جو“

"مجھے افسوس ہے!"

وہ افسوس ہے کہہ دیا۔ جلوہ چھٹی ہوئی۔ مکلا پھارڈ پھار کر چلائتے چلے  
جار ہے ہیں۔ ہمسایلی کا کچھ خیال ہمی نہیں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ اس کی کھوئی  
یہ تو انہوں نہ ہے۔ اکی قسم میں بخوبی پہ ہمادی عطا فی ہو جاؤں گی!

”دلوانے ہوں تمہارے دشمن۔“

"میری جان کے دشمن تو آپ ہیں۔"

۷ تو خدا نے ہے دیوار نکرے۔

”وہ تو آپ ہیں!“

”میں دیوانہ ہوں مگر تمہارا“

”آپ چونچلے نیکھا رہتے ہیں۔“

”تم تو نہ یوں مانتی ہونہ رسول“

”میں سونا چاہتی ہوں۔“

”سو جاؤ، میں پڑا بجوار اس کرتا رہوں گا۔“

”یہ بجوار کیا اشد ضرورتی ہے؟“

”ہے تو سہی۔ ذرہ ادھر دیکھو۔“

”میں کہتی ہوں مجھے تنگ نہ کہنئے۔ میں روؤں کی“

”تمہارے ذری میں اتنی نفرت کیوں پیدا ہو گئی۔ میری ساری زندگی  
تمہارے لئے ہے۔ سمجھو میں نہیں آنا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ مجھ سے کھوئی  
خطا ہوئی ہو تو بتاؤ۔“

”آپ کی تیس خطائیں یہ سائنسے پلنگ پر پڑی ہیں۔“

”یہ تمہارے کو سننے کبھی ختم نہیں ہوں گے۔“

”آپ کی ہٹ کب ختم ہو گی؟“

”وہ بابا یعنی تم سے کچھ نہیں کہتا۔ سو جاؤ۔ میں نیچے چلا جاتا ہوں۔“

”کہاں؟“

” وجہت میں“

”یہ کیا یا مگر پن ہے۔ نیچے اتنے محض ہے۔ پنکھا بھی نہیں۔ سچ کہتی“

ہوں، آپ بالکل پاگھل ہیں۔ میں نہیں جانتے مدرسگی آپ کو جو  
میں یہاں کیا کر دیں گا۔ پھر ہیں نکھانہ ہیں ہے، صحیک ہے۔ میں نے  
زندگی کے بُرے نہ تباہی کتراء سے ہیں۔ تن آسان نہیں ہوں۔ سو جاؤں کھا  
صوفیے پرہیز۔

”سارہ اور قوت جلگتے رہیں گے یہ“

”تمہارے بلاسے“

”میں نہیں جانتے دوں گی آپ کو۔ بات کا بٹنگٹرہ بنادیتے ہیں۔“

”نہیں میں جاؤں گا۔ مجھے جانتے دو۔“

”کیسی باتیں منزہ سے نکالتے ہیں۔ خبردار جو آپ گئے ہو۔“

”مجھے یہاں نیند نہیں آتے ہیں۔“

”نہ آتے ہے۔“

”یہ محیب منطق ہے۔ میں کوئی بڑا جھگٹکڑ کر تو نہیں مجاہد ہا۔“

”بڑا فی جھگٹکڑ اکبیا بھی باقی ہے۔ خدا کی قسم آپ کبھی کبھی بالکل  
پچھوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ اب یہ خط میر میں سما یا ہے کہ شیخے کرمی اور  
پھر وہ میں مجاکرہ سوؤں گا۔ کوئی اور ہوئی تو پاگھل ہو جاتی۔“

”تمہیں میرابڑا خیال ہے۔“

”اچھا بابا نہیں ہے۔ آپ چاہتے کیا ہیں؟“

”اب سید ہے راستے پر آفی ہوئے۔“

”چلتے ہیں۔ میں کوئی راستہ راستہ نہیں مجاہد۔ منہ دھو کے

رکھنے اپنا۔

منہ صبح دھو ریا جاتا ہے۔ لواب میں جاؤ۔“

”توبہ!“

”سارہ بھی پروردہ بیرٹر لگ کر آگئی؟“

”نہیں!“

”عجب اُتو کا چھا ہے دلزی۔ کہہ رہا تھا آج ضرور ہنچائے گا۔“

”لے کر آیا تھا، مگر میں نے واپس کر دی۔“

”کیوں؟“

”ایک دو جگہ بھول تھے۔“

”اوہ۔ اچھا، میں نے کہا، کل ”برسات“ دیکھنے چلیں گے۔“

— میں نے پاہ کا بندوبست کر دیا ہے۔“

”کتنے آدمیوں کا؟“

”دو کا۔ کیوں؟“

”باجی بھی جانا چاہتی تھیں۔“

”ہشاد باجی کو پہلے سہ دیکھیں گے پھر اس کو دکھادیں گے۔ پہلے ہفتے میں پاس بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ چاند فی رات میں تمہارا بدن کتنا چک رہتا ہے۔“

”محبے تو اس چاند فی سے نفرت ہے۔ کم بخت آنکھوں میں گھستی ہے۔ سونے نہیں درتی۔“

”تمہیں تو بس ہر وقت سونے ہی کی پڑکی رہتی ہے۔“

”آپ کو بچپن اس کی دلیکھ بھال کرنا پڑے تو پھر پتہ ملے۔ آئٹے دال کا سمجھا و معلوم ہو جاتے۔ ایک کے پڑے بدلو تو دوسرا کے ملے ہو جاتے ہیں۔ ایک کو سلاوا۔ دوسری جاگ پڑتی ہے، تیسرا نعمت خانے کی غار بکری یعنی مصروف ہوتی ہے۔“

”دونوں کو بھر میں موجود ہیں۔“

”ذکر کر کچھ نہیں کرتے۔“

”تو اُنہیں نکال بایہر کرو۔“

”اہمستہ بولتے۔ دلکھنے پھر فٹ کیسے چونگی ہے۔“

”معاف کر دینا۔ ذرا ہاتھ سے تھپکا دو۔“

”نمکھلی بھی ترکی پر ہی ہے۔“

”پیشاب کر دیا تھا اسے۔“

”جی پاؤ اے۔“

”پھر کیا وجہ ہے؟“

”اگر می آج کچھ زیادہ ہے۔ آپ پرے ہٹ جائیے۔“

”نہیں نہیں۔“

”آخر بار مجھے ہی مانگی پڑتی ہے۔“

”تمہاری ہمارہ نہیں جیت ہوتی ہے اللہ ہتر جانتا ہے مجھے۔“

”تم سے کتنی محبت ہے!“

”اپنی محبت آپ اسی وقت جتنا یا کرتے ہیں؟“

”لو بھجن، اور کیا سر بازار تم سے محبت کیا کروں۔ ادھر دیکھو،

میری طرف“

”آپ اپنی کرکے رہیں گے؟“

”میری مبان جو ہو گئیں تم۔“

”میں نے کہا ہے نے؟“

”کیا ہوا؟“

”و سیکھتے نہیں بڑی اٹھ کر بیٹھی ہوئی ہے“

”اوہ!“

”مگر انہیں آپ نے؟“

”کیا؟“

”کہہ رہ ہیا ہے اب بھی اڑو وڑا!“

”ہاں ہاں سننا ہے۔ دے اسے درود ہو۔“

”میں شیخے بھول آئی ہوں۔“

”نیچے؟“

”ہاں فتحت خانے میں۔ جائیئے لے آئیے۔“

”لے آؤں نیچے نہیں؟“

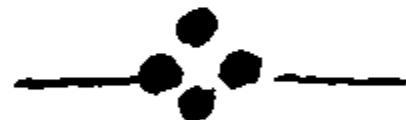
”جلد کی جاتی ہے ورنہ روز ناشر ورع کرہ دیگی۔“

”مجاتا ہوں!“

۱۷۰

”میں نے کہا سنتے۔ آگ جلا کر زرما کنکنا کے لیے بھی مجاہد و محدث کے  
دراچھا چھا۔ من لیا ہے!“

۱۲ رجب ۱۴۹۶ھ



.. ۱۵ روپے	سعادت حسن مٹھو	اسانے	بادشاہت کا خاتمہ
.. ۱۵ روپے	سعادت حسن مٹھو	اسانے	جنازے
.. ۱۵ روپے	ہیاس سیتا پورنی	تاریخی ناول	دشت کا بھینہ یا
.. ۱۸ روپے	سعادت حسن مٹھو	اسانے	آتش پارے اور سیاہ حاشیہ
.. ۱۸ روپے	سعادت حسن مٹھو	افسے	ٹھنڈا اگریشت
.. ۲۶ روپے	امیں مل جاؤ	ناول	ٹوٹی لیکسر
.. ۲۲ روپے	سعادت حسن مٹھو	افسے	با بخوبی
.. ۱۱ روپے	سعادت حسن مٹھو	ناول	بغیر عنوان کے
.. ۱۳ روپے	ہیاس سیتا پورنی	تاریخی ناول	کلاش بہشت
.. ۲۲ روپے	سعادت حسن مٹھو	ڈکے	مجھے ذہشنے
.. ۹ روپے	سعادت حسن مٹھو	فلمیں	میں خور میں
.. ۱۱ روپے	سعادت حسن مٹھو	اسانے	لذت سنگ
.. ۱۵ روپے	سعادت حسن مٹھو	فلمہ و مراج	تلخی، ترش اور شیریں
.. ۱۳ روپے	سعادت حسن مٹھو	افسانے	پھنسنے
.. ۱۰ روپے	عذر پا انوشی	ناول	دشتہ محبت کا
.. ۱۲/۵ روپے	سعادت حسن مٹھو	اسانے	و حوال
.. ۱۲/۵ روپے	اُن اٹا	فلمہ و مراج	خمار گندم
.. ۱۲/۵ روپے	اُن اٹا	فلمہ و مراج	اُردو کی آخوندی کتاب
.. ۱۰ روپے	جو حسین بیکر		عرب امراء ایل جنگ کی فتحیہ باہمیں